سوال بڑی مچھلی کب تک چھوٹی مچھلی کو نگلتی رہے گی۔

جواب جب تک چھوٹی مچھلی اپنے آپ کو اتنا بڑا نہ کرلے کہ وہ بڑی مچھلی کے منہ میں نہ آسکے۔

شمارہ ۲۳
اکتوبر ۱۹۷۸

زرتعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

الرسالہ

شمارہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۸

جمعیۃ بلڈنگ • قاسم جان اسٹریٹ • دہلی ۶

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
ان اللہ تعالیٰ اوحی الیّ ان تواضعوا حتی
لا یبغیَ احدٌ علی احد ولا یفخرَ
احد علی احد (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے مجھ پر وحی کی کہ تواضع اختیار کرو۔ کوئی شخص کسی پر زیادتی نہ کرے۔ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔

یہاں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ براہ کرم اپنا زر تعاون بذریعہ منی آرڈر بھیج کر شکریہ کا موقع دیں ——— مینجر الرسالہ

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوت اسلامی کے لئے جدید طرز کے ایک —
اسلامی مرکز کے قیام کا تخیل راقم الحروف نے ابتداءً ہفت روزہ الجمعیۃ نومبر ۱۹۷۰ء میں شائع کیا تھا۔ یہ تحریر عربی میں ترجمہ ہوکر پہلی بار ۱۹۷۱ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔ "نحو بعث اسلامی" کے نام سے یہ تعارفی کتابچہ قاہرہ اور بیروت سے اب تک چھ بار شائع ہوچکا ہے اور تمام عرب دنیا میں پھیلا ہے۔ مختلف عرب اخبارات نے اپنے کالموں میں اس کے تعارفی فیچر شائع کئے ہیں

ماہنامہ الرسالہ اسی اسلامی مرکز کا آرگن ہے جو اکتوبر ۱۹۷۶ء سے باقاعدہ شائع ہو رہا ہے۔ اس مدت میں اسلامی مرکز کی اشاعتی مہم کے ذیل میں حسب ذیل کتابیں شائع کی جاچکی ہیں

الاسلام	صفحات ۲۴۰
ظہور اسلام	۲۰۰
مذہب اور جدید چیلنج	۲۲۴
تجدید دین	۴۸
زلزلۂ قیامت	۶۴
عقلیات اسلام	۴۸
دین کیا ہے	۳۲

متعدد دوسری کتابیں بھی انشاء اللہ جلد شائع ہوں گی۔

ماہنامہ الرسالہ کے منتخب مضامین کا عربی ترجمہ قاہرہ اور بیروت سے تقریباً ہر ماہ شائع ہو رہا ہے۔ بیروت سے شائع ہونے والے ایڈیشن کا عمومی نام الاسلام والعصر الحدیث ہے اور قاہرہ سے شائع ہونے والے ایڈیشن کا نام — نحو دعی اسلامی

(وحیدالدین)

امریکہ کے ڈاکٹر میکائیل ہارٹ (۴۶ سال) ایک عالم فلکیات ہیں اور اسی کے ساتھ مورخ بھی۔ انھوں نے اور ان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ بیوی نے مل کر تاریخ عالم کا جو مطالعہ کیا ہے، اس کا ایک حاصل انھوں نے حال میں ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا ہے جس کا نام ہے: "ایک سو"۔ ۵۷۲ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ساڑھے بارہ ڈالر ہے۔

اس کتاب میں ایک سو ایسے آدمیوں کے حالات درج ہیں جنھوں نے مصنف کے نزدیک تاریخ پر سب سے زیادہ اثرات ڈالے۔ تاریخ میں جو کھربوں انسان پیدا ہوئے، مصنف کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ عظیم انسان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ کیوں کہ:

He was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels.

"وہ تاریخ کے واحد انسان ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے، مذہبی حیثیت سے بھی اور دنیوی سطح پر بھی" مصنف کے نزدیک آپ کی ذات صرف آپ ہی کی حد تک نہ تھی بلکہ ان کی عظمت کا اثر تمام نوع انسانی تک پہنچا۔ انسانی تاریخ پر آپ کی شخصیت کا غالب اثر ابھی تک جاری ہے۔

ایک سو عظیم ترین انسانوں کی اس فہرست میں نمبر ۳ پر مسیح علیہ السلام کا نام ہے، نمبر ۱۶ پر موسیٰ علیہ السلام کا اور نمبر ۵۱ پر خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غیر مسلموں کے قلم سے اس قسم کے مضامین اور کتابیں کثرت سے شائع ہوچکی ہیں۔ ان کو یکجا کیا جائے اور ان کا انتخاب چھاپا جائے تو اسلام کی اشاعت کے لئے بہت مفید ہوگا۔

پیغمبر اسلام تاریخ کے سب سے بڑے انسان

It's a game anyone can play and, at one time or another, almost everyone does. It's called, "Name the most influential people who ever lived," and if there are no hard rules, there is now at least "The 100" *(572 pages. Hart. $12.50)*, a book in which astronomer Michael H. Hart ranks his own choices and invites readers to challenge his selections. According to Hart, who is also an amateur historian, the most influential person among the billions born thus far was Muhammad, the founder of Islam, because "he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels." By comparison, Jesus ranks third (behind Isaac Newton, "the greatest and most influential scientist") because, in Hart's view, he must share the founding of Christianity with Saint Paul.

IDEAS

42. Beethoven

four-stroke internal-combustion engine, gets Hart's nod over industrialist Henry Ford, who doesn't even make the list.

Comparative-history buffs will find plenty to argue about in the places Hart assigns to such empire builders as Umar ibn al Khattab (51), the second Muslim caliph; Asoka (52), a third-century B.C. monarch of India, and Chinese emperor Shih Huang Ti (18), whom Hart ranks ahead of Augustus Caesar (19). In general, Hart gives precedence to seminal ideas over action. Thus Marx (11) the intellectual precedes Lenin (15) the revolutionary in Hart's top 20. Nevertheless, philosophers may well dispute the low value Hart places on more speculative thought: Saint Thomas Aquinas, Immanuel Kant and Benedictus de Spinoza are all absent from his catalog.

HART'S HUNDRED

1. Muhammad
2. Isaac Newton
3. Jesus Christ
4. Buddha
5. Confucius
6. Saint Paul
7. Tsai Lun
8. Johann Gutenberg
9. Christopher Columbus
10. Albert Einstein
11. Karl Marx
12. Louis Pasteur
13. Galileo Galilei
14. Aristotle
15. V.I. Lenin
16. Moses
17. Charles Darwin
18. Shih Huang Ti
19. Augustus Caesar
20. Mao Tse-tung
21. Genghis Khan
22. Euclid
23. Martin Luther
24. Nicolaus Copernicus
25. James Watt
26. Constantine the Great
27. George Washington
28. Michael Faraday
29. James Clerk Maxwell
30. Orville and Wilbur Wright
31. Antoine Laurent Lavoisier
32. Sigmund Freud
33. Alexander the Great
34. Napoleon Bonaparte
35. Adolf Hitler
36. William Shakespeare
37. Adam Smith
38. Thomas Edison
39. Anton van Leeuwenhoek
40. Plato
41. Guglielmo Marconi
42. Ludwig van Beethoven
43. Werner Heisenberg
44. Alexander Graham Bell
45. Alexander Fleming
46. Simon Bolivar
47. Oliver Cromwell
48. John Locke
49. Michelangelo
50. Pope Urban II
51. Umar ibn al Khattab
52. Asoka
53. Saint Augustine
54. Max Planck
55. John Calvin
56. William T.G. Morton
57. William Harvey
58. Antoine Henri Becquerel
59. Gregor Mendel
60. Joseph Lister
61. Nikolaus August Otto
62. Louis Daguerre
63. Joseph Stalin
64. Rene Descartes
65. Julius Caesar
66. Francisco Pizarro
67. Hernando Cortes
68. Queen Isabella I
69. William the Conqueror
70. Thomas Jefferson
71. Jean Jacques Rousseau
72. Edward Jenner
73. Wilhelm Conrad Roentgen
74. Johann Sebastian Bach
75. Lao-tzu
76. Enrico Fermi
77. Thomas Malthus
78. Francis Bacon
79. Voltaire
80. John F. Kennedy
81. Gregory Pincus
82. Sui Wen Ti
83. Mani (Manes)
84. Vasco da Gama
85. Charlemagne
86. Cyrus the Great
87. Leonhard Euler
88. Niccolo Machiavelli
89. Zoroaster
90. Menes
91. Peter the Great
92. Mencius
93. John Dalton
94. Homer
95. Queen Elizabeth I
96. Justinian I
97. Johannes Kepler
98. Pablo Picasso
99. Mahavira
100. Niels Bohr

Newsweek, July 31, 1978

وہ لوگ جو دین کی خاطر دنیا میں بے حیثیت ہو گئے ہوں

عن حارثۃَ بنِ وھب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہِ وسلم ۔ الا اُخبرکم بملوکِ اھل الجنۃ قالوا بلیٰ یا رسول اللہ ۔ قال کلُّ ضعیفٍ مستضعفٍ اَغبرَ اَشعثَ

(متفق علیہ)

حارثہ بن وہاب کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کیا میں تمھیں بتاؤں کہ اہل جنت کے بادشاہ کون لوگ ہیں لوگوں نے کہا ہاں اے خدا کے رسول ۔ فرمایا : وہ جو کمزور ہو اور جس کو کمزور سمجھ لیا گیا ہو ۔ گرد آلود اور بکھرے ہوئے بال ۔

وہ لوگ جو مصلحت پرستی کے بجائے اصول پسندی کو اپنا دین بناتے ہیں ۔ جو دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دیتے ہیں ۔ جو مفاد کو اہمیت دینے کے بجائے حق کو اہمیت دیتے ہیں ۔ جو بندوں کے بجائے خدا کو اپنی توجہات کا مرکز بناتے ہیں ، ایسے لوگ اکثر اوقات دنیا میں بے جگہ ہو جاتے ہیں ۔ وہ ان چیزوں میں سے کسی چیز کا ثبوت نہیں دے پاتے جن کی دنیوی اہمیت ہو اور جو دنیا میں آدمی کو باعزت بنانے والی ہوں ۔ ان کی اس حالت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ان کو بے حیثیت اور ناکام سمجھ لیتے ہیں ۔ دنیوی نقشوں میں ان کو کہیں عزت کے مقام پر نہیں بٹھایا جاتا ۔ مگر جب موجودہ دنیا کو توڑ کر آخرت کا عالم بنایا جائے گا تو اس کے اندر یہی لوگ سب سے زیادہ اونچا مقام حاصل کریں گے ۔ وہی سب سے زیادہ کامیاب انسان قرار پائیں گے ۔ آج کی دنیا کے بے زور کل کی دنیا میں بادشاہوں کی طرح زندگی گزاریں گے ۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے ڈکٹیٹرانہ نظام میں ایک جمہوری لیڈر ذلت اور گمنامی کے قید خانہ میں ڈال دیا جاتا ہے ۔ مگر جب جمہوری حالات پیدا ہوتے ہیں اور عوامی رائے سے سیاسی مناصب کا فیصلہ ہوتا ہے تو وہی شخص اقتدار کی بلند ترین کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آتا ہے جو کل تک ایک معمولی سپاہی کے آگے بھی بے زور دکھائی دے رہا تھا ۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

ناکافی تیاری کے ساتھ کیا ہوا اقدام ــــــــ
مسئلہ کو پہلے سے زیادہ سنگین بنا دیتا ہے

شیر اپنی فطرت کے اعتبار سے انسان خور نہیں ہوتا ۔ کسی شیر کو انسان خور بنانے والے اکثر وہ غیر ماہر شکاری ہوتے ہیں جو شیر پر گولی چلاتے ہیں مگر ان کی گولی صحیح نشانہ پر پڑنے کے بجائے اچٹتی ہوئی نکل جاتی ہے ۔ اس قسم کا شیر انسان دشمن ہو جاتا ہے ۔ وہ جہاں کہیں انسانی شکل کو دیکھتا ہے ، اس پر حملہ کر کے اسے کھا جاتا ہے ــــــ اسی طرح اگر آپ اپنے حریف پر ایسے اقدامات کریں جو ناکافی تیاری کی وجہ سے فیصلہ کن نہ بن سکیں تو اس قسم کا ہر اقدام آپ کے حریف کو پہلے سے زیادہ مشتعل کر کے آپ کے مسئلہ کو اور زیادہ سنگین بنا دے گا ۔

لائق اور صالح آدمی ہر چیز سے زیادہ قیمتی

بخاری نے تاریخ صغیر میں یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ زید بن اسلم اپنے باپ کے واسطے سے بتاتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے کہا: تم لوگ اپنی تمنائیں بیان کرو۔ کسی نے کہا: میری تمنا ہے کہ یہ گھر میرے لئے درہم سے بھرا ہوتا تو میں اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا۔ کسی نے کہا: میرے پاس، اس گھر کے برابر سونا ہوتا تو میں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا۔ کسی نے کہا: میری تمنا ہے کہ یہ گھر میرے لئے موتیوں سے بھرا ہوتا اور میں اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا وغیرہ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لکنی اتمنی ان یکون ملأ ھذا البیت رجالا مثل ابی عبیدۃ بن الجراح و معاذ بن جبل و حذیفۃ بن الیمان فاستعملھم فی طاعۃ اللہ

لیکن میری تمنا تو یہ ہے کہ اس گھر بھر میرے پاس ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن یمان جیسے آدمی ہوتے اور ان کو میں اللہ کے کاموں میں استعمال کرتا۔

امیر کے اوصاف

ابن سعد نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی اتنی خدمت کی کہ ان کے گھر والوں میں سے بھی کسی نے اتنی خدمت نہیں کی۔ وہ مجھ کو اپنے پاس بٹھاتے اور میری عزت کرتے تھے۔ ایک روز میں ان کے گھر میں تنہائی میں ان کے ساتھ تھا۔ اچانک انھوں نے اتنے زور کی آہ بھری کہ مجھے گمان ہوا کہ اسی کے ساتھ ان کی جان نکل جائے گی۔ میں نے پوچھا: کیا آپ نے کسی ڈر کی وجہ سے آہ بھری ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا وہ ڈر کیا ہے۔ فرمایا میرے قریب آجاؤ۔ میں قریب ہوگیا۔ پھر فرمایا: اس کام (خلافت) کے لئے میں کسی کو نہیں پاتا۔ میں نے چھ آدمیوں کا نام لے کر کہا: کیا آپ فلاں اور فلاں سے غافل ہیں۔ میں ایک ایک کا نام لیتا جاتا تھا اور وہ ہر ایک کے بارہ میں کچھ نہ کچھ کہتے جاتے تھے۔ آخر میں فرمایا:

انہ لا یصلح لھذا الامر الا شدید فی غیر عنف، لین فی غیر ضعف، جواد من غیر سرف، ممسك فی غیر بخل (کنز العمال جلد ۳)

اس کام کا اہل صرف وہی شخص ہے جو شدید ہو بغیر اکڑ کے، نرم ہو بغیر کمزوری کے، سخی ہو بغیر فضول خرچی کے، مال روکنے والا ہو بغیر بخل کے۔

عبداللہ بن عباسؓ نے کہا: یہ صفات عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور میں جمع نہیں ہوئیں۔

امیر کے ہم نشینوں کو کیسا ہونا چاہئے

طبرانی نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے کہا: اے میرے بیٹے! میں دیکھتا ہوں کہ امیر المومنین (عمر رضی اللہ عنہ) تم کو اپنی مجلسوں میں بلاتے ہیں، تم کو اپنے قریب بٹھاتے ہیں اور تم سے دیگر اصحاب رسولؐ کے ساتھ مشورہ لیتے ہیں۔ تم مجھ سے تین نصیحتیں یاد کرلو:

اتق اللہ لا یجربن علیك کذبۃ، ولا تفشین لہ سرا، ولا تغتابن عندہ احدا

اللہ سے ڈرو، امیر المومنین تمھارے بارے میں کبھی جھوٹ کا تجربہ نہ کریں۔ ان کے بھید کو کبھی ظاہر نہ کرنا،

ان کے پاس کسی کی غیبت نہ کرنا۔

عامر کہتے ہیں۔ میں نے عبداللہ بن عباس رضؓ سے کہا۔ ان میں سے ہر نصیحت ہزار کے برابر ہے۔ انھوں نے کہا، ہر نصیحت دس ہزار سے بہتر ہے۔

خوشامدی ماتحتوں کا جمع ہونا بری علامت ہے

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جب کسی صاحب امر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو سچا وزیر دے دیتا ہے کہ اگر وہ بھول جائے تو وہ اس کو یاد دلائے۔ اور اگر یاد ہو تو اس کی مدد کرے۔ اور جب وہ کسی صاحب امر کے ساتھ اس کے برعکس ارادہ کرتا ہے تو اس کو برا وزیر دے دیتا ہے۔ اگر وہ بھول جائے تو یاد نہ دلائے، اور اگر یاد ہو تو مدد نہ کرے۔ (ابوداؤد)

لفظی عقیدت مندی حقیقی تعلق کا ثبوت نہیں

جبیر بن نفیر کہتے ہیں۔ میرے والد نے بتایا کہ ایک روز ہم مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص کا وہاں سے گزر ہوا۔ صحابی کو دیکھ کر اس نے کہا: کیسی خوش نصیب ہیں یہ دونوں آنکھیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ واللہ ہماری تمنا ہے کہ جو کچھ آپ نے دیکھا ہم بھی اسے دیکھتے اور جن مواقع میں آپ شریک ہوئے ہم بھی ان میں شریک ہوتے۔ مجھے اس آدمی کی بات پسند آئی۔ میں نے سوچا کہ اس نے جو کچھ کہا خیر کہا۔ مگر مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: تم میں سے کسی کو ان مواقع میں حاضری کی تمنا نہ کرنی چاہئے جن سے اللہ نے اس کو بری رکھا ہے۔ کیا معلوم وہ اس موقع پر ہوتا تو کیا کرتا۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے ایسے لوگ آئے جن کو اللہ نے جہنم میں دھکیل دیا۔ انھوں نے نہ آپ کا کہا مانا اور نہ آپ کی تصدیق کی۔

کوفہ کے ایک آدمی نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوعبداللہ کیا آپ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ان کی صحبت میں رہے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا "ہاں اے میرے بھتیجے"۔ کوفی نے کہا آپ لوگ کیا کرتے تھے۔ حضرت حذیفہ نے کہا "خدا کی قسم ہم مشقتیں برداشت کرتے تھے"۔ کوفی نے کہا: خدا کی قسم اگر ہم آپ کو پالیتے تو آپ کو زمین پر چلنے نہ دیتے۔ اپنی گردنوں پر آپ کو اٹھائے پھرتے۔ حضرت حذیفہ کہا:

انت کنت تفعل ذلک (مسلم) تم ایسا کرتے!

وقتی جوش دکھانے کا نام اسلام نہیں

غزوۂ احد (۳ ھ) میں ایک مسلمان شریک ہوا اور لڑ کر مارا گیا۔ اس کی ماں کو معلوم ہوا تو اس نے کہا واشہیداہ (ہائے شہید)۔ آپ نے سنا تو فرمایا:

مہ، مایدریک انہ شہید۔ ولعلہ کان یتکلم فیما لا یعنیہ ویبخل بما لا ینقصہ (ترمذی)

ٹھیرو۔ کیا معلوم کہ وہ شہید ہوا۔ شاید وہ بے فائدہ باتیں کرتا رہا ہو اور اس چیز کو دینے میں بخیل رہا ہو جس کو دینے میں اس کا کوئی نقصان نہ تھا۔

اللہ کے ساتھ ادنیٰ شرکت گوارا نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے کہا:

ماشاء اللہ وماشئت — خدا جو چاہے اور آپ جو چاہیں

رسول اللہ نے اس قول کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا:

اجعلتنی للہ ندا، — کیا تم نے مجھ کو اللہ کا برابر بنا دیا۔

بل ماشاء اللہ وحدہ — بلکہ یوں کہو: تنہا اللہ جو چاہے

آخر وقت تک اللہ پر یقین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے لئے مکہ سے نکلے تو پہلے تین دن تک غار ثور میں ٹھہرے۔ قریش کے لوگ آپ کو تلاش کرتے ہوئے اس غار تک پہنچ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے خدا کے رسول! دشمن اتنے قریب آچکا ہے کہ ان میں سے کوئی اگر اپنے پیروں کی طرف نظر ڈالے تو وہ ہم کو اپنے قدموں کے نیچے دیکھ لے گا" آپ نے فرمایا:

یا ابابکر ماظنك باثنین اللہ ثالثهما — اے ابوبکر! تمہارا کیا خیال ان دو کے بارے میں ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہو۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳)

دنیوی مشکلات پر خدا کی یاد کا سہارا لینا

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ فاطمہ رض کا یہ حال تھا کہ گھر کا سب کام انھیں کو کرنا پڑتا۔ چکی پیسنے کی وجہ سے ہاتھ میں چھالے پڑجاتے۔ پانی باہر سے مشک میں بھر کر لانا ہوتا جس کی وجہ سے گردن میں نشان پڑ گیا تھا۔ جھاڑو دینے میں کپڑے میلے ہوجاتے۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ خادم آئے۔ میں نے فاطمہ سے کہا: تم اپنے والد کے پاس جاؤ اور اپنے لئے ایک خادم مانگ لو۔ فاطمہ رض گئیں۔ مگر وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ مل نہ سکیں اور واپس آگئیں۔ اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آئے اور پوچھا کہ کیا کام تھا۔ فاطمہ رض چپ رہیں۔ میں نے قصہ بتایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خادم نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا:

اتقی اللہ یا فاطمۃ وادّی فریضۃ ربك واعمل عمل اھلك واذا اخذت مضجعك فسبحی ثلاثا وثلاثین واحمدی ثلاثا وثلاثین وکبری اربعا وثلاثین فذلك مائۃ ۔ ھی خیر لك من خادم (الترغیب والترہیب جلد ۳)

اے فاطمہ اللہ سے ڈرو۔ اپنے رب کے فرائض ادا کرو۔ اپنے گھر والوں کے کام کرو۔ اور جب بستر پر جاؤ تو ۳۳ بار اللہ کی تسبیح کرو۔ ۳۳ بار اللہ کی حمد کرو۔ ۳۴ بار اللہ کی تکبیر کرو۔ یہ پورا سو ہے یہ تمھارے لئے خادم سے بہتر ہے۔

انتہائی بغض کے باوجود مکمل انصاف

بیہقی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہر سال وصولی کے لئے خیبر جاتے تھے۔ وہ خیبر کے کھجوروں کا تخمینہ کرتے اور اپنے تخمینہ کے مطابق آدھا اہل خیبر پر مقرر کر دیتے۔ خیبر کے یہودیوں نے شکایت کی کہ وہ پیداوار سے زیادہ تخمینہ لگاتے ہیں۔ انھوں نے عبداللہ بن رواحہؓ کو رشوت کا لالچ بھی دیا۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا: اے اللہ کے دشمنو! تم لوگ مجھ کو حرام کھلانا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم میں تمھارے پاس ایک ایسی ذات کی طرف سے آیا ہوں جو مجھ کو ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور تم مجھے ایسا مبغوض ہو کہ تمھاری تعداد کے برابر سور اور بندر بھی اتنے مبغوض نہیں:

ولا یحملنی بغضی ایاکم وحبی ایاہ علی ان لا اعدل علیکم

مگر ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم سے بغض اور رسولؐ اللہ سے محبت کی وجہ سے میں تمھارے ساتھ انصاف نہ کروں۔

یہود نے کہا: اسی عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں —

آخرت کا نام آتے ہی وہ اپنا دعویٰ بھول گئے

ابن ابی شیبہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ انصار میں سے دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جھگڑا لے کر آئے۔ یہ ایک پرانی میراث کا معاملہ تھا جس کے لئے دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ موجود نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ میرے پاس اپنا جھگڑا لے کر آتے ہو اور میں اپنی رائے سے اس میں فیصلہ کرتا ہوں جس کے بارے میں وحی نہیں اتری ہے۔ اگر میں کسی کی حجت کی بنا پر اس کی موافقت میں ایسا فیصلہ دے دوں جس میں میں نے اس کے بھائی کا حق کاٹ کر اس کو دے دیا ہو تو وہ اس کو نہ لے۔ کیوں کہ ایسی صورت میں میں نے اس کو آگ کا ایک ٹکڑا دیا جس کو لے کر وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ وہ ٹکڑا اس کی گردن میں چپکا ہوا ہوگا۔ یہ سن کر دونوں انصاری رو پڑے۔ ہر ایک نے کہا:

یا رسول اللہ حقی لہ

اے خدا کے رسول! میں نے اپنا حق اس کو دے دیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے ایسا کیا ہے تو اب تم دونوں جاؤ اور حق و انصاف کا ارادہ کرو۔ میراث کے دو حصے بناؤ اور اس کے بعد قرعہ ڈالو۔ اس طرح تم دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں جو آئے اس کا ساتھی اس کے لئے اس کو حلال کر دے۔ (کنز العمال جلد ۳)

اللہ کے ڈر کی وجہ سے کوڑا ہاتھ سے گر پڑا

ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک روز میں کسی بات پر اپنے غلام سے خفا ہو گیا اور اس کو کوڑے سے مارنے لگا۔ اتنے میں پیچھے سے آواز سنائی دی: "اے ابو مسعود جان لو" مگر میں غصہ کی حالت میں تھا۔ آواز کو پہچان نہ سکا۔ آواز دینے والا جب میرے قریب آگیا تو میں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ فرما رہے تھے:

اعلم ابا مسعود ان اللہ اقدر علیک منک علی ھذا الغلام (مسلم)

ابو مسعود! جان لو، تم کو جتنا قابو اس شخص پر ہے، اس سے زیادہ قابو اللہ کو تمھارے اوپر ہے۔

یہ سن کر کوڑا میرے ہاتھ سے گر گیا۔ میں نے کہا "اب کبھی میں کسی غلام کو نہ ماروں گا، میں اس غلام کو اللہ کی خوشی کے لئے آزاد کرتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا:

اَمَا اِنہ لولم تفعل لمسّتک النار (مسلم) اگر تم ایسا نہ کرتے تو آگ کی لپٹ تم کو چھو دیتی۔

خدا کی پکڑ سے ڈرنا خواہ کم زور کا معاملہ کیوں نہ ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ ام سلمہ رضؓ کے مکان پر تھے۔ آپ کو کسی کام کے لئے خادمہ کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے اس کو آواز دے کر بلایا۔ خادمہ نے آنے میں دیر کی۔ آپ کے چہرے پر غصہ کے آثار ظاہر ہو گئے۔ ام سلمہ رضؓ یہ دیکھ کر اٹھیں۔ پردہ کے پاس جا کر دیکھا تو خادمہ باہر بکری کے بچوں سے کھیل رہی تھی۔ ام سلمہ نے دوبارہ اس کو آواز دے کر بلایا۔ وہ آئی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک مسواک تھی، آپ نے خادمہ سے کہا:

لولا خشیة القود لاوجعتکِ بهذا السواك قیامت کے دن مجھے بدلہ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھ کو اس مسواک سے مارتا۔ (الادب المفرد)

اللہ سے مانگنے کی سب سے بڑی چیز مغفرت ہے

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ انصار کے پاس سینچائی کے اونٹوں کی تنگی ہوئی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تاکہ آپ ان کے لئے اونٹوں کا انتظام کر دیں یا خوب بہنے والی نہر کھدوا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا: انصار کے لئے مرحبا، انصار کے لئے مرحبا، انصار کے لئے مرحبا۔ آج تم مجھ سے جس چیز کا بھی سوال کرو گے میں تمھیں ضرور دوں گا اور تمھارے لئے اللہ سے جو چیز بھی مانگوں گا وہ ضرور عطا فرمائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ کلمات سن کر انصار کا دل بھر گیا۔ انھوں نے سوچا کہ مانگنے کی زیادہ بڑی چیز تو آخرت ہے پھر ایسے قیمتی موقع پر آپ سے دنیا کیوں مانگیں۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا:

اغتنموها وسلوه المغفرة اس موقع کو غنیمت جانو اور آپ سے مغفرت کا سوال کرو

انھوں نے کہا: اے خدا کے رسول ہمارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ آپ نے فوراً کہا: اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما، ان کے لڑکوں کی مغفرت فرما، ان کی عورتوں کی مغفرت فرما (احمد)

غصہ نہ کر، غصہ نہ کر، غصہ نہ کر

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا: مجھ کو نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا: لا تغضب (غصہ مت کر) اس نے دوبارہ کہا: مجھ کو نصیحت کیجئے۔ آپ نے پھر فرمایا: لا تغضب (غصہ مت کر) وہ بار بار اپنا سوال دہراتا رہا اور آپ بار بار یہی کہتے رہے: غصہ مت کر (بخاری)

دنیا سے بھرے ہوئے، آخرت سے خالی

قال ابو الدرداء: مالی اراکم شباعا من الطعام جیاعا من العلم (جامع بیان العلم، جزء ثانی، صفحہ ۲۰۲)

حضرت ابو الدرداء نے کہا: یہ کیا ہے کہ میں تم کو کھانے سے شکم سیر دیکھتا ہوں اور علم دین سے تم بھوکے پڑے ہوئے ہو

وہ خدا کو دیکھ کر ہنسیں گے ، خدا ان کو دیکھ کر ہنسے گا

طبرانی نے حصین بن وحوح اور طلحہ بن مسکین سے روایت کیا ہے۔ طلحہ بن براءؓ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہونے کے لئے آئے۔ اس وقت وہ نوجوان تھے۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! جو کچھ آپ کو محبوب ہو مجھے حکم دیجئے، میں کسی امر میں نافرمانی نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: "اگرچہ میں تم کو حکم دوں کہ تم اپنے والدین سے قطع تعلق کر لو!" راوی کہتے ہیں کہ ان کے ایک ماں تھی اور وہ ان کے ساتھ بہت زیادہ سلوک کرتے تھے۔ طلحہ بن براءؓ آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہو گئے تو آپ نے فرمایا: "اے طلحہ! ہمارے دین میں قطع رحم نہیں۔ مگر میں نے چاہا کہ تمھارے دین میں کوئی شک نہ رہ جائے۔"

طلحہ بن براءؓ اسلام لائے اور ان کا اسلام بہت اچھا رہا۔ وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے آئے۔ آپ نے ان کو اس حال میں پایا کہ ان پر بے ہوشی طاری تھی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: جہاں تک میرا خیال ہے، طلحہ اپنی اسی رات میں اٹھا لئے جائیں گے۔ اس کے بعد آپ یہ کہہ کر واپس آ گئے کہ جب یہ ہوش میں آئیں تو مجھ کو بلا لینا۔ ان کو آدھی رات کو ہوش آیا۔ مگر انھوں نے اطلاع کرانے کو منع کر دیا۔ انھوں نے کہا: ایسا نہ ہو کہ رات کے اندھیرے میں کوئی موذی جانور آپ کو کاٹ لے یا یہودی دشمنوں سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ رات ہی کو حضرت طلحہ کا انتقال ہو گیا۔ صبح کی نماز کے بعد آپ کو ان کی وفات کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا:

اللھم القہ یضحک الیک وانت تضحک الیہ

خدایا! تو اس سے اس طرح ملاقات کر کہ وہ تجھ کو دیکھ کر ہنسے اور تو اس کو دیکھ کر ہنسے۔

اصل اعتبار اندر کے انسان کا

ابن عساکر نے زہری سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبد اللہ بن حذافہ رضؓ کے بارے میں شکایت کی گئی کہ وہ مزاح اور تمسخر کی باتیں کرتے ہیں (انہ صاحب مزاح و باطل) آپ نے فرمایا:

اترکوہ فان لہ بطانۃ یحب اللہ ورسولہ

ان کو چھوڑ دو۔ ان کا جو باطن ہے وہ اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے۔

مسئلہ کھڑا کئے بغیر ساتھ دینا

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ روم کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام کو جمع کر کے تقریر فرمائی۔ آپ نے کہا: میری رائے ہے کہ مسلمان ملک شام کی طرف رومیوں سے جہاد کے لئے نکلیں۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کی مدد فرمائے گا اور اپنے کلمہ کو بلند کرے گا۔ آپ کی تقریر کے بعد مشورہ ہوا۔ بعض مخالف رائیں بھی آئیں۔ تاہم کچھ دیر کی گفتگو کے بعد سب نے بالاتفاق کہا:

ما رأیت من رأی فامضہ فانا لا نخالفک ولا نتہمک (ابن عساکر)

آپ کی جو رائے ہو اس کو کر گزریئے۔ ہم نہ آپ کی مخالفت کریں گے اور نہ آپ پر الزام رکھیں گے۔

ایمان یہ ہے کہ جب کوئی غیر معمولی بات پیش آئے تو آدمی کے اندر نفسانیت نہ جاگے بلکہ خدا پرستی جاگے

آدمی کی زندگی میں مختلف قسم کے واقعات پیش آتے ہیں۔ کبھی آرام کبھی تکلیف، کبھی تعریف کبھی تنقید، کبھی خوشی کبھی غم ——— یہ اتار چڑھاؤ سب امتحان کے پرچے ہیں۔ کامیابی یہ ہے کہ ان واقعات سے آدمی کے اندر نفسانیت نہ جاگے بلکہ خدا پرستی جاگے۔ خوشی اور آرام ہو تو اس کے اندر شکر کا جذبہ ابھرے۔ کسی سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کے اندر عجز اور عبدیت کی روح پیدا ہو۔

۱۹۷۵ میں شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے کابینی رفقاء مسٹر تاج الدین احمد، مسٹر قمر الزماں، مسٹر نذرالاسلام اور دوسرے بہت سے لوگ قتل کر دیئے گئے تھے۔ اس واقعہ سے کسی قدر پہلے اپریل ۱۹۷۵ میں بنگالی صحافی مسٹر سکھ رنجن داس گپتا ڈھاکہ گئے تھے اور بنگلہ دیش کے لیڈروں سے ملے تھے۔ انھوں نے بنگلہ دیش کے خونیں واقعات پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے :

The Midnight Massacre in Dacca

مسٹر گپتا کے بیان کے مطابق اپریل ۱۹۷۵ میں جب وہ دوسرے ہندوستانی صحافیوں کے ساتھ ڈھاکہ پہنچے تو وہاں مجیب حکومت کو ختم کرنے کی افواہیں گرم تھیں۔ مسٹر قمر الزماں سے جب وہ ان کی رہائش گاہ پر ملے تو موصوف کے الفاظ میں :

The first thing he asked for was the tin of Zarda

پہلی چیز جو انھوں نے مجھ سے مانگی وہ زردہ تھا۔ میں نے بتایا کہ میں ان کے لئے زردہ کا ایک ڈبہ لایا ہوں۔

مسٹر تاج الدین سے جب وہ ان کے مکان پر ملے تو انھوں نے مسٹر گپتا سے فرمائش کی کہ وہ ایشور چند ودیا ساگر کی کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں۔ یہ کتابیں ان کو فراہم کر دی گئیں۔ مسٹر خوندکر مشتاق جو اس وقت ٹریڈ اور کامرس کے منسٹر تھے، انھوں نے شکایت کی کہ کلکتہ کے اخبارات نے اپنے صفحات میں ان کو اتنی جگہ نہیں دی جتنی انھوں نے مسٹر تاج الدین اور مسٹر نذرالاسلام کو دی۔ مسٹر داس گپتا لکھتے ہیں میں سمجھ نہ سکا کہ وہ شیخ مجیب کے خلاف اپنی شکایت کو میرے جیسے ایک غیر ملکی صحافی سے کیوں بیان کر رہے ہیں

"۲۵ مارچ ۱۹۷۱ کو پاکستانی فوج نے بنگلہ دیش میں مار دھاڑ کیوں شروع کی"، مسٹر تاج الدین نے بتایا کہ الیکشن کے بعد ہم نے خفیہ منصوبہ بنایا کہ بنگلہ دیش کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیں۔ یہ منصوبہ خوندکر مشتاق کے ذریعہ پاکستان کے لیڈروں تک قبل از وقت پہنچ گیا اور انھوں نے فوجی کارروائی شروع کر دی"۔

مذہب روس میں واپس آرہا ہے

اشتراکی فلسفہ تاریخ کا سب سے زیادہ جارح الحادی فلسفہ تھا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۱۷ میں جب روس میں اشتراکی انقلاب آیا تو انقلابی حکمرانوں نے پوری طاقت سے مذہب کو کچلنا شروع کردیا۔ مگر اب وہاں بھی حالات اسی طرح بدلے ہوئے نظر آتے ہیں جس طرح ترکی میں بدلے۔ آج کل روس کے بارے میں کثرت سے ایسی رپورٹیں شائع ہو رہی ہیں جن کا عنوان اس قسم کا ہوتا ہے:

God returns to the USSR

خدا روس میں واپس آرہا ہے۔

لینن گراڈ میں مذہبی تاریخ کا ایک میوزیم ہے۔ اس میوزیم میں آپ داخل ہوں تو سب سے پہلے آپ کو دو الماریاں نظر آئیں گی جن میں سائنس اور تاریخ کی قدیم کتابیں بند ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کا مطالعہ کسی وقت کیتھولک چرچ نے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ اگر مذہب کا اقتدار باقی رہتا تو دنیا آج علمی اعتبار سے کس قدر پیچھے ہوتی۔ اسی لئے اس میوزیم کو "اینٹی گاڈ میوزیم" کہا جاتا ہے۔ اگرچہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ اینٹی کیتھولک ہے نہ کہ حقیقۃً اینٹی گاڈ۔

روس میں ۱۹۱۷ کے اشتراکی انقلاب کے بعد اس طرح کی بے شمار کوششوں کے ذریعہ مذہب کو آہنی قید میں بند کردیا گیا۔ تاہم واقعات بتا رہے ہیں کہ ایک منظم اور طاقت ور سلطنت کی ساری مخالفانہ تدبیروں کے باوجود مذہب قیدخانہ سے باہر آگیا ہے اور آزادانہ طور پر "بے خدا روس" کی سڑکوں پر چل پھر رہا ہے۔

روس کے چرچ اور عبادت خانے دوبارہ بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں آنے والے صرف بوڑھے لوگ نہیں ہیں جو قدیم روایتی ماحول میں پلے تھے۔ بلکہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھی کثیر تعداد میں عبادت خانوں میں جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ مذہب کے عنوان پر فلمیں بھی بن رہی ہیں۔ مثلاً ایک فلم ہے جس کا نام ہے "نوح کی کشتی"۔ ایک اور فلم میں دیگر مذہبی معتقدات کے ساتھ مرے ہوئے انسان کو دوبارہ اگلی دنیا میں زندہ ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

جدید روس میں مذہب مختلف انداز سے زندہ ہو رہا ہے۔ مثلاً ایک روسی دوسرے روسی سے ملاقات کے بعد کہے گا Vootis Daroviya اس کا مطلب روسی زبان میں ہوتا ہے تمہاری صحت میں برکت ہو۔ اسی طرح وہ مواقع جب کہ اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے ہم کو کہنا پڑتا ہے واللہ اعلم۔ ایسے موقع پر روسی کہتا ہے Tolka Bog Znayete (خدا ہی کو معلوم ہے)۔ خدا کا لفظ روسیوں کی عام بول چال میں کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے۔ مسلمان عام طور پر اللہ کا لفظ بولتے ہیں۔ یہودی، عیسائی اور مسلمان کھلے طور پر عبادت کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ ٹالسٹائی، مہاتما گاندھی اور دوسرے مذہبی مصنفین کی کتابیں اور ان کے ترجمے کثرت سے روس میں چھپ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ "یوگا" بھی روسیوں میں مقبول ہو رہا ہے۔

روس میں خدا کی واپسی ایک عام آدمی کے لئے صرف ایک معنی رکھتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ جس طرح فطرت کے دوسرے تقاضوں کو ختم نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح خدا

آدمی کسی بات کو ماننا نہ چاہے تو اس کو رد کرنے کے لئے وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ الفاظ پا لیتا ہے

کی طلب کو بھی انسان کی فطرت سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ ایک عام مذہبی آدمی کے لئے یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ اس کے نزدیک اشتراکی انقلاب کے ساٹھ سال بعد روسی معاشرہ میں مذہب کے دوبارہ زندہ ہونے کی دوسری توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔

مگر انسان کے پاس لفظوں کی کمی نہیں۔ جو لوگ خدا کا اقرار کرنا نہیں چاہتے۔ انھوں نے اس توجیہہ کو رد کرنے کے لئے نہایت خوبصورت الفاظ تلاش کر لئے۔ انھوں نے کہا:

The revival of interest in religion in the Soviet Union is a form of legalized dissidence.

یعنی سوویت روس میں مذہب کے رجحان کا دوبارہ ابھرنا مذہبی سچائی کی تصدیق سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ عوام کے لئے صرف حکومت سے اختلاف کی ایک جائز صورت ہے ——— ایک واقعہ جس میں اقرار خدا کا سامان تھا، اس سے انکار خدا کی دلیل نکال لی گئی۔

روزہ: آخرت میں نقصان دینے والی چیزوں سے بچنے کا سبق

آل انڈیا ریڈیو نے ۱۹ اگست ۱۹۷۸ کی شام کو ساڑھے نو بجے ایک پروگرام رکھا تھا۔ عنوان تھا "روزہ کیا ہے"۔ یہ آدھ گھنٹہ کی ایک ریڈیائی بات چیت تھی جس میں تین مذاہب کے نمائندے شریک تھے۔ اسلام کی نمائندگی راقم الحروف نے کی۔ دوسرے دو صاحبان یہ تھے: پنڈت بچیدانند شاستری اور آرک بشپ ناصر۔ ہر ایک نے اپنے مذہب کی روشنی میں روزہ کی حقیقت بیان کی۔

میں نے جو باتیں کہیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ روزہ اس بات کا سبق ہے کہ دنیا میں آدمی کو کچھ چیزوں سے بچ کر زندگی گزارنی ہے تاکہ اس کی آخرت کامیاب ہو۔ دنیا میں ایک تاجر اپنے کو فضول خرچی سے بچاتا ہے، ایک طالب علم اپنے کو ضیاع وقت سے بچاتا ہے، ایک مزدور اپنے کو کاہلی سے بچاتا ہے۔ اس طرح بچ بچا کر زندگی گزارنے ہی کا نام دنیا کی کامیابی ہے۔ کاہلی، فضول خرچی، عیاشی، ضیاع وقت سے آدمی اپنے کو نہ بچائے تو وہ کسی قسم کی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

ایسا ہی کچھ معاملہ آخرت کا ہے۔ آدمی کو اپنی آخرت کو کامیاب بنانے کے لئے ایک متقیانہ زندگی گزارنی ہے۔ کچھ چیزوں سے اپنے کو بچا کر رکھنا ہے۔ آخرت کو برباد کرنے والی چیزوں سے بچ کر اور ان کو چھوڑ کر زندگی گزارنے کا سبق دینے کے لئے روزہ فرض کیا گیا ہے۔ جو شخص دن بھر روزہ رکھتا ہے، اس کو شام کے وقت کھانے کی لذت ملتی ہے۔ اسی طرح جو شخص دنیا میں خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچے گا وہی آخرت میں زندگی کی لذتوں کو پائے گا۔

ہماری زندگی کے دو رخ ہیں

ایک مرتبہ میں ایک بڑے سرکاری افسر سے ملا۔ شام کا وقت تھا۔ ہم لوگ ان کے شان دار بنگلہ کے لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ "مولانا صاحب" اچانک انھوں نے کہا "ہم لوگوں کی زندگی بھی کیسی بری زندگی ہے۔ اب دیکھئے۔ کل صبح کو سورج نکلنے سے پہلے مجھے ہوائی اڈہ پر جانا ہے۔ فلاں ملک کی اعلیٰ سیاسی شخصیت کا ہوائی جہاز ہماری زمین پر اترے گا۔ مجھ کو نہ صرف اپنی نیند کو چھوڑ کر ہوائی اڈہ پر پہنچنا ہے بلکہ دل میں نفرت کے باوجود مسکرا کر ان کا استقبال بھی کرنا ہے"۔

یہ ایک سادہ سی مثال ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے لوگوں کی زندگیاں کس طرح دو رخی ہوتی ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک پہلو کار اور کوٹھی اور عزت اور اقتدار ہے۔ مگر اس کا ایک اور پہلو ہے جو اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ چیزیں انھیں کن باتوں کے نتیجہ میں ملتی ہیں۔ اگر آپ کسی بڑے آدمی کے اندر جھانک کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس چمک دمک کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو سطحیت پر راضی کیا ہے، خوشامد، موقع پرستی، مصلحت پسندی، زمانہ سازی، بے ضمیری ظاہرداری، دو عملی، یہی وہ چیزیں ہیں جن کی قیمت ان کو ایک شان دار زندگی کی صورت میں ملتی ہے۔ ہر بڑے آدمی کی زندگی کے دو رخ ہیں۔ ایک شان دار، دوسرا تاریک اور بے روح۔ وہ اپنے "انسانی وجود" کو قتل کرنے پر راضی ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوتا ہے کہ "حیوانی وجود" کی سطح پر اس کو جاہ وحشم کی ایک زندگی حاصل ہو سکے۔

عام انسان کی زندگی کے بھی اسی طرح دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک مزدور مئی جون کی گرمی میں کھلی دھوپ میں کام کر رہا ہے۔ وہ سر سے پاؤں تک پسینہ میں شرابور ہے۔ مگر اپنا کام کئے جا رہا ہے۔ وہ کیوں اپنے آپ کو مشقت کی آگ میں جلاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس "دھوپ" کا ایک "سایہ" بھی ہے۔ اس کی مزدوری کا ایک پہلو گرمی اور لو میں جھلسنا ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ شام کو چند روپے حاصل کرے گا جس سے اس کے بیوی بچوں کی ضرورتیں پوری ہوں گی اور وہ رات کو اطمینان کی نیند سوئے گا۔

کسی عمل کے دو رخ ہونے کا یہ وہ پہلو ہے جو صرف دنیوی اعتبار سے پایا جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا اور آخرت کے اعتبار سے بھی عمل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ہر عمل جو آدمی اس دنیا میں کرتا ہے، اس کا ایک رخ وہ ہے جو دنیا میں نظر آتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو آخرت میں مترتب ہو رہا ہے۔ آج ہم اپنے عمل کے دنیوی پہلو کو بھگتتے ہیں۔ کل ہم اپنے عمل کے اخروی پہلو کو بھگتیں گے۔ آج ہم زندگی کے ایک سمت میں کھڑے ہیں۔ اس لئے ہم کو اعمال کا ایک ہی رخ دکھائی دیتا ہے۔ قیامت ہم کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دے گی جہاں دونوں رخ ہمارے سامنے آجائیں گے۔ جس طرح دیوار کے اوپر کھڑا ہوا آدمی دیوار کے دونوں طرف دیکھتا ہے اسی طرح قیامت کے عالم میں پہنچ کر آدمی حقیقت کے دونوں رخ کو دیکھنے لگے گا۔ ایک طرف پچھلی زندگی کی پوری تاریخ بچپن سے موت تک لمبی فلم کی طرح اس کے سامنے کھلی ہوئی ہوگی۔ دوسری طرف اس کی اس بنائی ہوئی تاریخ کے اخروی نتائج بالکل برہنہ ہو کر آنکھوں کے سامنے کھڑے ہوں گے:

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ (انفطار) — اس دن آدمی جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو اس نے پیچھے چھوڑا۔

فرد کو ایمانی غذا پہنچانا دینی تحریک کا اصل مقصد

ایک دین دار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بزرگ لکھتے ہیں :

"تجدید دین پر آپ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ایک جرأت مند اور حقیقت سے لبریز قدم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی ٹھوس تعلیمات کو وزن دار پتھروں کے بوجھ کے نیچے دبا دیا گیا ہے۔ اس کو دوبارہ آشکارا کرنے کے لئے آپ نے جو "پہلا قدم"، تجویز کیا ہے، وہ اگرچہ درست ہے۔ مگر یہ بڑا صبر آزما قدم ہے۔ اس راہ سے اسلام کو سربلند کرنے کے لئے صدی سے کم مدت درکار نہ ہوگی۔ بہر حال آپ نے "تجدید دین" میں صحیح نشان دہی فرماکر اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش کو قبول فرمائے" (کشمیر ۱۳ جون ۱۹۸۷)

تجدید دین کو موجودہ زمانہ میں تجدید سیاست کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ اس لئے جب بھی تجدید کی بات کی جائے فوراً سیاسی غلبہ کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ حالاں کہ لفظی طور پر تجدید دین کا مطلب صرف دین کو نیا کرنا ہے۔ اس سے مراد دین کو فکری طور پر نکھارنا ہے، نہ کہ اس کو سیاسی طور پر غالب کر دینا۔ اسی غلط فہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام جو دراصل خدا کی خاموش دنیا میں بندہ کے داخلہ کا دروازہ تھا، سیاسی شور وغل کا پنڈال بن کر رہ گیا۔

جس طرح دنیا میں طرح طرح کی مادی غذائیں پھیلی ہوئی ہیں اور ان میں حصہ دار بننے والا دنیوی حیثیت سے کامیاب سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات میں ایک اور دسترخوان کھولا ہے۔ یہ اخروی غذاؤں کا دسترخوان ہے جو نفسیاتی سطح پر آدمی کو ملتا ہے۔ قرآن میں اس کو خشوع وتضرع اور راخبات وانابت وغیرہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اسلام کے نزدیک آدمی کی اصل کامیابی یہ ہے کہ آدمی اس دوسرے دسترخوان سے اپنی غذا حاصل کرنے لگے۔ انسانی تعبیرات کے پردہ میں ڈھکا ہوا دین آدمی کے لئے اس خدائی دسترخوان سے غذا لینے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ وہ دین انابت کو دین سیاست بنا کر رکھ دیتا ہے۔ اس سے ضرورت ہوتی ہے کہ اس قسم کے تمام پردوں کو ہٹا دیا جائے تاکہ اللہ کا جو بندہ اللہ سے قریب ہونا چاہے وہ اس کی قربت سے محروم نہ رہے۔

اعتراف

غالباً ۱۹۳۰ کا واقعہ ہے۔ جارج اسلامیہ ہائی اسکول گورکھ پور (جو بعد کو اسلامیہ کالج بنا) کے ایک استاد مسٹر شرف الدین تھے۔ بہت ذہین اور لائق استاد تھے۔ انگریز انسپکٹر ایک روز ان کی کلاس کا معائنہ کرنے کے لئے آیا۔ اس وقت وہ غالباً نویں کلاس کو انگریزی زبان پڑھا رہے تھے۔ انگریز انسپکٹر ان کی کلاس میں بیٹھ گیا اور ان کے درس کو سنتا رہا۔ بعد کو اس نے انسپکشن رپورٹ میں لکھا :

I did not inspect the class of Mr. Sharfuddin, actually I attended it. He is so learned a teacher.

میں نے مسٹر شرف الدین کی کلاس کا معائنہ نہیں کیا۔ بلکہ حقیقتہً ان کے کلاس میں شرکت کی۔ وہ واقعی ایک لائق استاد ہیں۔

ڈاکٹر محمود قادری (پیدائش ۱۹۱۴ء)
قاسم جان اسٹریٹ ۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶

گروہی عصبیت کہاں تک لے جاتی ہے

بنو مضر اور بنو ربیعہ عرب کے دو حریف قبیلے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسلاً قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ مسیلمہ، جس نے آپ کے مقابلہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، قبیلہ ربیعہ سے تعلق رکھتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو قبیلہ ربیعہ کا سردار طلحۃ النمری مسیلمہ کے پاس آیا۔ گفتگو کے بعد طلحہ نے مسیلمہ سے کہا:
"میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد سچے ہیں۔ مگر ربیعہ کا کذاب مضر کے صادق سے مجھ کو زیادہ محبوب ہے"
یہ کہہ کر مسیلمہ کے ساتھیوں میں شریک ہو گیا۔ (طبری، جلد ۳، صفحہ ۲۴۶)

مسیلمہ نے قرآن کے جواب میں جو کلام بنایا تھا، اس کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی عظمت کو خوب جانتا تھا۔ تاہم گروہی عصبیت کی بنا پر کچھ مسخرہ پن کے جملے وضع کر کے لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔ مثلاً اس کا ایک کلام یہ تھا:

یا ضفدع نقی نقی، لا الشارب تمنعین ولا الماء تکدرین، لنا نصف الارض ولقریش نصف الارض، ولکن قریشا قوم یعتدون (طبری جلد ۳، صفحہ ۲۵۳)

اے مینڈک ٹرٹر کرلے، تو نہ پانی پینے والوں کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا کرتی ہے۔ زمین عرب آدھی ہم ربیعہ والوں کی اور آدھی قریش کی۔ مگر قریش تو زیادتی سے کام لے رہے ہیں۔

چیخنا کام نہ آیا

جہاز چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو چکا تھا۔
اس کے ٹوٹے ہوئے تختے سمندر کی موجوں میں ہچکولے کھا رہے تھے
سینکڑوں مسافر اپنی منزل کے بجائے سمندر کی تہ میں پہنچ چکے تھے۔
اور جہاز کا کپتان ایک تختہ کا سہارا لئے ہوئے چیخ رہا تھا ——

کتنی بے رحم ہے وہ قدرت جس نے سمندر میں چٹان ابھار دی
کیسی ظالم ہے وہ حکومت جس نے یہاں روشنی کا مینار تعمیر نہیں کیا
کتنے مجرم ہیں وہ جہاز ساز جنھوں نے جہاز کو حادثہ پروف نہیں بنایا

وہ چیخ رہا تھا، اور چیخ رہا تھا
مگر وہاں کوئی سننے والا نہ تھا جو اس کی چیخ کو سنے
اس کی آواز فضا میں تحلیل ہوتی رہی
یہاں تک کہ وہ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ سمندر میں غرق ہو گیا
اس کا چیخنا اس کے کام نہ آیا اور نہ دوسروں کے۔

تنقید کی ایک قسم یہ بھی ہے

ایچ ایچ آچاریہ پنڈت پریم کستوا ہا (پیدائش ۱۹۰۸) ایک ہندو عالم ہیں۔ وہ عربی اور اردو زبانیں بھی اچھی جانتے ہیں اور الرسالہ کے مستقل قارئین میں سے ہیں۔ ۱۶ جون ۱۹۷۸ کی ایک ملاقات میں انھوں نے کہا: "آپ کی دعوت کے بارہ میں مسلم علماء کا ردعمل کیا ہے۔ میں نے کہا علماء کی ایک تعداد ہمارے ساتھ ہے۔ تاہم ایک طبقہ ہمارا مخالف بھی ہے۔ میں نے بتایا کہ ہندوستان کے ایک مشہور ترین مذہبی ادارہ کے ماہانہ آرگن میں "الاسلام" پر تبصرہ شائع ہوا ہے۔ اس تبصرہ میں ہمارے اس مسلک پر گرفت کی گئی ہے کہ ہم موجودہ زمانہ کے مسلم مصلحین پر تنقید کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مذکورہ ماہنامہ ہمارے بارے میں لکھتا ہے:

"مصنف اسلامی دعوت اور اسلامی تاریخ کے بزعم خود بڑے مبصر ہیں۔ انھوں نے کس طرح اس حقیقت کو فراموش کر دیا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انبیاء سابقین اور ان کی دعوت و ہدایت کے احترام کا جذبہ موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سابق کسی نبی کا انکار نہیں فرمایا۔ کسی نبی کی دعوت و ہدایت پر تنقید نہیں کی بلکہ سب انبیاء کی تصدیق، سب کا احترام اور سب کی لائی ہوئی شریعتوں کو سچا مانا اور سچ بتایا۔"

دارالعلوم، اگست ۱۹۷۷

پنڈت جی یہ سن کر حیرت میں پڑ گئے۔ "یہ تنقید اگر چھپی ہوئی نہ ہوتی تو میں یقین نہ کرتا کہ کوئی عالم ایسی کم زور بات کہہ سکتا ہے۔ یہ تو ایک معلوم بات ہے کہ پیغمبر سارے معصوم ہوتے ہیں اور سب خدا کی طرف سے آتے ہیں۔ ان کا یہ سر حق ہونا یقینی ہوتا ہے۔ پھر ان پر تنقید کا کیا سوال۔ جب کہ عام مصلح کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک مجتہد کی ہے اور آپ کے یہاں طے شدہ ہے کہ — المجتهد یخطی ویصیب (مجتہد غلطی بھی کرتا ہے اور صحیح بھی)

اس کے بعد انھوں نے کہا۔ اس تنقید پر مجھ کو ایک لطیفہ یاد آگیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ لطیفہ اس قسم کی تنقیدوں پر بہت خوبی سے چسپاں ہوتا ہے۔

جاٹ اور تیلی ایک ساتھ جا رہے تھے۔ تیلی نے کہا:

جاٹ رے جاٹ تیرے سر پہ کھاٹ

جاٹ نے یہ سن کر سوچا کہ تیلی تو بازی لے گیا۔ مجھے بھی اس کے توڑ میں کچھ کہنا چاہئے، وہ بولا:

تیلی رے تیلی تیرے سر پہ کولھو

تیلی نے کہا یہ تو کچھ تک نہیں بیٹھا۔ جاٹ نے فوراً کہا:

تک نہ ہو تو کیا۔ تو بوجھ کے نیچے تو مرے گا۔

"ظہور اسلام کا پہلا صفحہ غلط ہے۔ مصنف کو شاہ ولی اللہ پر اعتراض ہے کہ وہ الہمنی ربی کی زبان میں کلام کرتے ہیں۔ اور ظہور اسلام کے دیباچہ میں انھوں نے خود اپنے بارہ میں یہی بات لکھ دی۔"

یہ تنقید بھی ویسی ہی ہے جیسے کوئی کہے "تیلی رے تیلی تیرے سر پہ پہاڑ"۔ تیلی پوچھے کہ میرے سر پہ پہاڑ رکھا کس نے۔ تو وہ جواب دے: کچھ بھی ہو تمھارا سر تو ٹوٹا۔

ظہور اسلام میں جو بات کہی گئی ہے وہ "القار" کی نوعیت کی ہے نہ کہ وحی والہام کی نوعیت کی۔ القار کسی بھی شخص کو ہو سکتا ہے۔ جب کہ وحی والہام صرف انبیاء کرام کے لئے مخصوص ہے۔ "میرے رب نے مجھ کو الہام کیا" صرف پیغمبر کہہ سکتا ہے جب کہ یہ کہنا ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ "میرے ذہن میں وارد ہوا"

اللہ کی بڑائی کی یاد نے ان کی زبانیں بند کردی ہیں

عن عُقبۃَ بنِ عامرٍ قال لقیتُ رسولَ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت ما النجاۃُ ۔ فقال: أملِكْ علیكَ لسانَكَ ولْیَسَعْكَ بیتُكَ وابكِ علی خطیئتِكَ

عقبہ بن عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات کا راستہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اپنی زبان کو روکے رکھو، گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی خطاؤں پر روؤ۔

اپنی زبان کو قابو میں رکھ کر بولنا، اپنے قریبی دائرہ کو اپنا میدان عمل سمجھنا اور اپنے "کارناموں" کے بجائے اپنی کوتاہیوں کو یاد رکھنا ——— ایمان کی علامتیں ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو آخرت میں نجات کے مستحق قرار پائیں گے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس کی آخر عمر میں جب کہ ان کی بینائی جاتی رہی تھی، میں ان کو لئے جا رہا تھا۔ وہ مسجد حرام میں پہنچے۔ وہاں ایک مجمع کی طرف سے کچھ جھگڑنے کی آواز سنائی دی۔ فرمایا مجھے اس مجمع کی طرف لے چلو۔ میں ان کو وہاں لے گیا۔

وہاں پہنچ کر عبداللہ بن عباس نے سلام کیا ان لوگوں نے بیٹھنے کے لئے کہا تو آپ نے انکار کیا اور یوں بولے: "تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کے خاص بندے وہ لوگ ہیں جن کو اس کے خوف نے چپ کر رکھا ہے، حالانکہ وہ نہ عاجز ہیں، نہ گونگے، بلکہ فصیح لوگ ہیں، بولنے والے ہیں اور سمجھ دار ہیں۔ مگر اللہ کی بڑائی کی یاد نے ان کی عقلوں کو اڑا رکھا ہے۔ ان کے دل اس کی وجہ سے ٹوٹے رہتے ہیں۔ اور ان کی زبانیں چپ رہتی ہیں۔ جب اس حالت پر ان کو پختگی ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ سے وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ تم لوگ ان سے کہاں ہٹ گئے؟"

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دو آدمیوں کو بھی ایک جگہ اس طرح جمع نہیں دیکھا۔

آپس کی لڑائیاں ہلاکت کی طرف لے جاتی ہیں

عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

إنی لستُ أخشیٰ علیکم ان تُشرکوا ولکن أخشیٰ علیکم الدنیا أن تنافسوا فیھا وتَقْتَتِلوا فتَھلِکوا کما ھَلَكَ من کان قبلکمُ (متفق علیہ)

مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم دنیا چاہنے لگو گے اور آپس میں ایک دوسرے سے لڑو گے۔ یہاں تک کہ اسی طرح ہلاک ہو گے جس طرح پچھلی امتیں ہلاک ہوگئیں۔

حلف الفضول کے بارے میں

قدیم عرب میں باقاعدہ حکومت نہ تھی۔ طاقت ور کمزور کو ستاتا اور اس کو لوٹ لیتا تھا۔ کچھ سربرآوردہ لوگوں نے مل کر یہ عہد کیا کہ وہ کمزوروں کا ساتھ دیں گے اور مظلوم کو اس کا حق دلوائیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر جو معاہدہ لکھا گیا، اس میں ایک جملہ تھا جس میں فضول کا لفظ تھا :

تُرَدُّ الفضول الیٰ اھلھا (سہیلی، روض الانف) مال ان کے مالکوں کو واپس کیا جائے گا۔

اس وجہ سے اس عہد نامہ کا نام حلف الفضول پڑ گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً پندرہ سال کی تھی کہ عرب کی مشہور لڑائی حرب فجار (۵۸۱ء) کا چوتھا اور آخری مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں ایک طرف قبائل کنانہ تھے اور دوسری طرف قبائل قیس، کافی نقصان اٹھانے کے بعد بالآخر دونوں فریقوں میں صلح ہو گئی۔ اس کے بعد آپ کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر عبداللہ بن جدعان (رئیس قریش) کے مکان پر ایک اجتماع ہوا۔ اس میں یہ بات زیر غور آئی کہ کوئی ایسا انتظام ہونا چاہئے جس سے آئندہ ملک میں امن وامان قائم ہو سکے۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ حلف الفضول کی تجدید کی جائے جو اس کے ابتدائی معاہدین کے بعد ختم ہو گیا تھا۔ بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تمیم نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ وہ ملک سے بدامنی کو دور کریں گے، مسافروں کی حفاظت کریں گے۔ غریبوں کی مدد کریں گے۔ مظلوموں کو ان کا حق دلائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے خاندان والوں کے ساتھ اس معاہدہ میں شریک تھے۔ بعد کو زمانہ نبوت میں آپ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

لقد شھدت مع عمومتی حلفاً فی دار عبد اللہ بن جدعان ما احب لی بہ حمر النعم۔ ولو دعیت بہ فی الاسلام لاجبت

میں اپنے چچاؤں کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوا تھا۔ اس کے بدلے اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں ان کو قبول نہ کرتا۔ اور اب زمانہ اسلام میں بھی اگر مجھے اس کے لئے بلایا جائے تو میں لبیک کہوں گا۔

اس معاہدہ کے سلسلے میں دو باتیں بالکل واضح ہیں۔

۱۔ حلف الفضول دوروں اور تقریروں کی کوئی مہم نہ تھی۔ یہ ایک عملی پروگرام تھا جس میں کچھ سربرآوردہ لوگوں نے قسم کھا کر اپنے آپ کو اس کا پابند کیا تھا کہ وہ مظلوم کی مدد کے لئے پہنچیں گے اور حق دار کو اس کا حق دلائیں گے۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سال کی عمر میں اس عہد نامہ میں شریک ہوئے تھے تاہم نبوت ملنے کے بعد آپ نے جس چیز کو اپنا مشن بنایا وہ مذکورہ عہد نامہ نہ تھا۔ آپ کا مشن توحید و آخرت تھا۔ وہ چیز جس پر آپ نے پوری زندگی لگائی، وہ تھا شرک سے لوگوں کو ہٹا کر ایک خدا کا پرستار بنانا اور دنیا پرستانہ زندگی کے بجائے آخرت پسندانہ زندگی پیدا کرنا۔ آپ نے ایک موقع پر یہ ضرور فرمایا کہ آج بھی اگر کوئی مجھے حلف الفضول والے کام کی طرف پکارے تو میں لبیک

کہوں گا۔ مگر اس کو آپ نے دوسرے کی پکار پر مشروط رکھا۔ خود آپ نے اس کو اپنا مشن نہیں بنایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حلف الفضول جیسے کسی کام کی حیثیت زیادہ سے زیادہ دنیوی فلاح کے ایک پروگرام کی ہے۔ جب کہ نبی اس لئے آتا ہے کہ وہ لوگوں کو فلاح آخرت کا راستہ دکھائے۔ نیز یہ کہ خود دنیوی اخلاقیات بھی حقیقی معنوں میں خدا کے خوف ہی سے پیدا ہو سکتی ہیں نہ کہ اس سے آزاد ہو کر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خدا کا خوف حکمت کا خزانہ ہے

قرآن   إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ   (فاطر ۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

حدیث   رأس الحكمة مخافة الله

دانائی کا سرا اللہ کا خوف ہے

بائبل   مخافة الرب رأس المعرفة   (امثال ۱ : ۷)

خدا کا خوف علم کا شروع ہے

THE FEAR OF THE LORD IS THE BEGINNING OF KNOWLEDGE

خدا کا خوف سادہ معنوں میں صرف "ڈر" کا نام نہیں ہے، وہ حقیقت کی اعلیٰ ترین یافت ہے۔ وہ آدمی کے اوپر عقل و دانش کا دروازہ کھولتا ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ نفسیاتی واقعہ ہے کہ اندیشہ کے احساسات آدمی کے اندرون کو جگاتے ہیں۔ جب کہ اطمینان اور قناعت کے احساسات اس کے اندرون کو سلا دیتے ہیں۔ جب آدمی اپنے کو خطرہ کی حالت میں محسوس کرے تو اس کی فکری قوتیں زیادہ گہرائی کے ساتھ کام کرنے لگتی ہیں اور جب وہ اپنے کو بے خطر محسوس کرے تو اس کا ذہن کند ہو جاتا ہے۔ سامنے کے حقائق بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ خوف سے مستقبل کے متعلق سوچنے کا ذہن پیدا ہوتا ہے اور بے خوفی سے حال کے اندر گم رہنے کا۔

مشہور بزرگ شبلیؒ نے کہا ہے: "جب بھی میں اللہ سے ڈرا ہوں تو اس کی وجہ سے مجھ پر حکمت و عبرت کا ایسا دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے میرے اوپر کھلا ہوا نہ تھا"۔ خوف خدا کے بغیر سچی دینداری پیدا نہیں ہو سکتی۔ حسن بصریؒ نے فرمایا: عالم وہ ہے جو دیکھے بغیر اللہ سے ڈرے۔ وہی چیز پسند کرے جو اللہ کو پسند ہے اور اس سے کوئی دل چسپی نہ رکھے جو اللہ کو ناپسند ہے (العالم من خشى الرحمن بالغيب ورغب فيما رغب الله فيه وزهد فيما سخط الله فيه (تفسیر ابن کثیر)

کسی کے نزدیک اسلام ایک عملیاتی نسخہ ہے، اپنی زندگی کے ساتھ اسلام کے عملیاتی ضمیمہ کو جوڑ لو اور سیدھے جنت میں پہنچ جاؤ۔ کوئی سارے معاملہ کو بزرگوں کا معاملہ سمجھتا ہے، کسی زندہ یا مردہ بزرگ کا دامن تھام لو اور ان کی برکت سے دونوں جہان کی نعمتیں سمیٹ لو۔ کچھ لوگ ہیں جن کو خوش قسمتی سے اور بھی زیادہ کامیاب طریقہ حاصل ہو گیا ہے، شان دار تقریریں کرو اور اس کے بعد دنیا میں لیڈری ہے اور آخرت میں جنت الفردوس۔

یاد رکھئے۔ جنت اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے کہ اس قسم کے سستے سکوں سے حاصل ہو جائے۔

کوئی شخص ایسا نہیں کرے گا کہ اپنے لڑکے کو "کامیاب ڈاکٹر" بنانے کے لئے اس کو عملیاتی وزشیں کرانے لگے۔ یا لڑکے کو کسی پہنچے ہوئے درویش سے بیعت کرائے اور ان کی برکت کے بھروسے پر بیٹھ جائے۔ یا "ڈاکٹر کانفرنس" کے پنڈال پر لڑکے کو ہار پہنا کر سمجھ لے کہ اس نے بیٹے کا کلینک کھولنے کا یقینی انتظام کر لیا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ اسلام کے بارے میں لوگوں نے اسی قسم کے سستے نسخوں پر امیدوں کے عالی شان محل بنا رکھے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آخرت اسی طرح سرگرمیوں کی ایک زیادہ اعلیٰ جگہ ہے جس کا ایک اسفل نمونہ ہم موجودہ دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔ آج کی دنیا میں کوئی مقام اسی کو ملتا ہے جو اس کی قابلیت پیدا کرے۔ اسی طرح آخرت کے مناصب اور مقامات پر وہی لوگ فائز کئے جائیں گے جنھوں نے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا ہو:

قد افلح من زکّٰها وقد خاب من دسّٰها — شمس

مراد کو پہنچا جس نے اپنے جی کو سنوارا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملایا (ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

قوم ثمود کے سامنے ایک اونٹنی ظاہر ہوئی۔ انھوں نے چاہا کہ اس کو ہلاک کر دیں۔ ان کے رسول نے ان کو متنبہ کیا کہ اس کو تم "اونٹنی" کا معاملہ نہ سمجھو۔ یہ ایک خدائی معاملہ ہے۔ مگر ان کی سمجھ میں بات نہ آئی۔ انھوں نے خدا کی نشانیوں کو دیکھنے کے لئے اپنی آنکھوں کو اندھا بنا رکھا تھا۔ ان کو "اونٹنی" دکھائی دی۔ مگر خدا نظر نہ آیا۔ انھوں نے بڑھ کر اونٹنی کو مار ڈالا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ برتری اور بہادری کا ٹائٹل لے رہے ہیں۔ حالاں کہ ایسا کرکے وہ اپنے اندھے پن کا ثبوت فراہم کر رہے تھے۔ وہ بھول گئے کہ آخرت کی دنیا ان لوگوں کے لئے ہے جو اس بات کا ثبوت دیں کہ وہ "اونٹنی" سے گزر کر خدا کو دیکھنے کی استعداد رکھتے ہیں۔ جن کو اونٹنی نظر آئے مگر خدا نظر نہ آئے، وہ خدا کے نزدیک صرف اندھے ہیں اور اسی حال میں وہ اگلی دنیا میں اٹھائے جائیں گے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

> "جس نے میری نصیحت سے منھ پھیرا، اس کے لئے تنگ گزران ہے۔ قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! کیوں تو نے مجھ کو اندھا اٹھایا، دنیا میں تو میں آنکھ والا تھا۔ جواب ملے گا کہ اسی طرح پہنچی تھیں تمہارے پاس ہماری نشانیاں پس تم نے ان کا کچھ خیال نہ کیا۔ اسی طرح آج تمہارا کچھ خیال نہ کیا جائے گا۔ (طٰہٰ)

دنیا میں جن لوگوں نے "اندھے پن" کا ثبوت دیا ہو وہ آخرت میں "بینائی" کے مناصب پر کیسے فائز کئے جا سکتے ہیں۔

اس منطق سے آپ ہر بات ثابت کر سکتے ہیں

سگمنڈ فرائڈ (۱۹۳۹-۱۸۵۶) نفسیات کا مشہور عالم ہے۔ اس کا نظریہ تھا کہ خواب کا انسانی ذہن سے باہر کوئی ماخذ نہیں۔ وہ زیادہ تر انسان کی دبی ہوئی خواہش (REPRESSED WISH) کو پورا کرنے کا ایک مظہر ہوتا ہے۔ انسان کی وہ تمنائیں جن کی وہ تکمیل نہ کر سکا، خواب میں ان کو پورا ہوتے دیکھ کر وہ تسکین حاصل کرتا ہے۔ اپنے اس نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لئے اس نے جو کتابیں لکھیں۔ ان میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ اہم کتاب وہ تھی جس کا نام ہے :

تعبیر خواب (THE INTERPRETATION OF DREAMS)

اس کتاب میں اس نے بہت سے خوابوں کو جمع کر کے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ان کی تعبیر بیان کی ہے۔

فرائڈ کی یہ کتاب پہلی بار جرمن زبان میں صرف ۶۰۰ کی تعداد میں چھپی تھی۔ مگر اس کو فروخت ہونے میں آٹھ سال لگ گئے۔ تاہم بعد کو فرائڈ کے نظریات نے کافی شہرت حاصل کی۔ اگرچہ اس کو مقبولیت کے بہت کم سال ملے۔ کیوں کہ جلد ہی بعد علمائے نفسیات نے فرائڈ کے نظریات پر سخت تنقیدیں شروع کر دیں۔

کچھ ایسے خواب ضرور ہیں جن کو فرائڈ نے نہایت کامیاب طور پر اپنے نظریۂ تعبیر کے مطابق ثابت کیا ہے۔ مگر بیشتر خوابوں کی تعبیر محض دور از کار تاویل معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک خواب کے مطابق ایک نوجوان ڈاکٹر رات کو دیکھتا ہے کہ اس نے انکم ٹیکس کا غلط حساب پیش کیا ہے جس کے نتیجہ میں اس کو سزا دی جا رہی ہے۔ فرائڈ کہتا ہے کہ نوجوان چاہتا تھا کہ وہ بہت زیادہ دولت کمانے والا ڈاکٹر بنے۔ اس کی یہی دبی ہوئی خواہش ہے جس نے مذکورہ خواب کے ذریعہ اپنی تسکین حاصل کی ــــــ اس قسم کا استدلال اگر صحیح ہو تو کسی دوسرے بالکل مختلف نظریۂ تعبیر کو بھی اتنی ہی کامیابی کے ساتھ ثابت کیا جا سکتا ہے۔

تاہم اس کتاب میں ایک اور بات ہے جو اس سے بھی زیادہ دل چسپ ہے۔ فرائڈ اپنی ساری ذہانت کے باوجود متعدد خوابوں کو اپنے نظریۂ تعبیر کے مطابق ثابت نہ کر سکا۔ ایسے واقعات میں اس نے ایک اور منطق ڈھونڈ نکالی ہے:

"یہ خواب میرے مخالفین کی اس دبی ہوئی خواہش کا نتیجہ ہیں کہ وہ میرے نظریہ کو غلط ثابت کر سکیں"

ایک شخص نے فرائڈ سے اپنا خواب بیان کیا۔ وہ ایک وکیل تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے مقدمات کے تمام فائل گم ہو گئے ہیں۔ فرائڈ اپنے نظریہ کے مطابق اس کی کوئی اطمینان بخش تعبیر بیان نہ کر سکا۔ بعد کو اس نے اپنی کتاب میں لکھا کہ اصل یہ ہے کہ خواب دیکھنے والا شخص اسکول کی تعلیم کے زمانہ میں آٹھ سال تک اس کا ساتھی تھا۔ اس زمانہ میں فرائڈ ہمیشہ فرسٹ آتا رہا۔ جب کہ مذکورہ شخص کا نتیجہ ہمیشہ اوسط درجہ کا ہوتا تھا۔ فرائڈ کے نزدیک اس وقت سے مذکورہ شخص کے دل میں یہ خواہش دبی ہوئی تھی کہ فرائڈ کو نیچا دکھائے۔ مگر عملاً وہ ایسا نہ کر سکا۔ اب اس کے لاشعور نے مذکورہ خواب دیکھ کر یہ تسکین حاصل کی کہ اس نے فرائڈ کو کم از کم اس کے نظریۂ خواب کے معاملہ میں غلط ثابت کر دیا ہے۔

فرائڈ کے اس طریق تعبیر پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک عالم نفسیات نے لکھا ہے :

With this kind of logic, all dreams cannot but be consistent with Freud's theory.

اس قسم کی منطق سے تو لازماً تمام خواب فرائڈ کے نظریہ کے مطابق ہی ثابت ہوں گے (۲۵ جون ۱۹۷۸)

منطق کی یہ قسم فرائڈ تک محدود نہیں۔ یہ بہت زیادہ عام ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی اس کو اپنے لئے ایک قیمتی علمی ہتھیار سمجھتے ہیں جو فرائڈ کے "مخالف" ہیں۔ خود راقم الحروف کو متعدد بار اس منطق سے سابقہ پڑا۔ میں نے کسی کے نقطۂ نظر پر علمی تنقید کی۔ موصوف کو پورا حق تھا کہ وہ میری بات کو دلیل کے ذریعہ رد کرتے۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ انھوں نے کہا: تم کو چوں کہ مصنف سے "ضد" ہے، اس لئے تم اس کے خلاف تنقید کر رہے ہو۔ ایک بزرگ نے ایک بار لکھا: "آپ کے اندر میرے خلاف ایک ضد اور کد کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے، اس لئے آپ کو میری بات غلط نظر آتی ہے"

اگر آدمی کے پاس اپنے نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لئے دلیل موجود نہ ہو تو یہ اس کے لئے بہترین قلعہ ہے جہاں وہ پناہ لے سکتا ہے۔ اگرچہ اپنے تمام تر حسن اور تقدس کے باوجود یہ ایک ایسا قلعہ ہے جو آدمی کے اپنے ذہن میں ہوتا ہے یا زیادہ سے زیادہ اس کے معتقدین کے ذہن میں۔ ان کے باہر اس مضبوط قلعہ کا کہیں وجود نہیں ہوتا۔

ایمان ایک غذا ہے

غذا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی منھ میں کوئی چیز ڈال کر اس کو چبا رہا ہو۔ غذا وہ ہے جو آدمی کا گوشت اور خون بنے اور اس کی صحت و طاقت کا ذریعہ ہو۔ یہی معاملہ اسلام کا بھی ہے۔

مسلمان کے مسلمان ہونے کی پہچان محض ظاہری اعمال نہیں ہیں۔ نہ یہ ہے کہ وہ اسلامی تقریروں اور تحریروں کا کمال دکھا رہا ہو۔ اللہ کا مطلوب مسلمان وہ ہے جس کے اعمال اس کے سینہ میں قلب خاشع پیدا کر رہے ہوں۔ اس کے برعکس اگر ایسا ہو کہ بظاہر اسلامی اعمال کی دھوم ہو، مگر آدمی کے سینہ میں قلب قاسی جنم لے رہا ہو تو دنیا والوں کی نظر میں خواہ اس کی کتنی ہی اہمیت ہو، اللہ کے نزدیک ایسے اسلام کی کوئی قیمت نہیں۔

قلب کی قساوت یہ ہے کہ آدمی کے دل سے نرمی نکل گئی ہو۔ وہ سچائی کے آگے جھکنے کے لئے تیار نہ ہوتا ہو۔ کوئی معاملہ پڑے تو وہ ایسا رویہ اختیار کرے گویا اس کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے (بقرہ ۷۴) آدمی کے دل سے لطیف احساسات اس طرح مٹ جائیں کہ شیطان جب اس کے دل میں اپنی بات ڈالے تو وہ اس کو پہچان نہ سکے اور شیطانی ترغیبات کا شکار ہو جائے (حج ۵۳) آدمی خدا کی نشانیاں دیکھے، اس کے سامنے حق کے دلائل آئیں مگر یہ چیزیں اس کے دل کو متاثر نہ کریں۔ خدا کی یاد سے خالی رہ کر وہ زندگی گزارتا ہے (زمر ۲۲) وہ حقائق کو نظر انداز کرے اور خوش فہمیوں پر اپنی زندگی کی بنیاد رکھے (حدید ۱۶)

اسلام کے نادان دوست

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک شخص تجارت کرے اور اپنی محنت سے کروڑپتی بن جائے تو اس سے کوئی مسئلہ نہیں پیدا ہوگا۔ اس کے برعکس اگر وہ اپنے پڑوسی سے چھین جھپٹ کرکے کروڑپتی بننے کی کوشش کرے تو دونوں کے درمیان دشمنی وجود میں آتی ہے۔ تخریبی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ قتل تک کی نوبت آجاتی ہے۔ مزید یہ کہ سب کچھ لٹانے کے بعد بھی اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

یہی معاملہ حکومتی تبدیلی کا بھی ہے۔ کسی سماج میں حکومت کی تبدیلی کا جو معروف طریقہ ہے، اگر اس کے ذریعہ حکومت بدلنے کی کوشش کی جائے تو سماج کے اندر کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اپریل ۱۹۷۷ میں ہندوستان میں ہوا۔ جنتا پارٹی نے اندرا پارٹی کو ہٹانا چاہا۔ اس مقصد کے لئے اس نے عوام کی رائے کو ہموار کیا۔ حالات نے اس کا ساتھ دیا اور الکشن کے معروف اور مسلّم طریقہ کے مطابق اس نے اندرا حکومت کو ختم کر دیا۔ اندرا گاندھی نے اپنی شکست تسلیم کرلی اور جنتا پارٹی کے لئے جگہ خالی کردی۔

ٹھیک اسی زمانہ میں پاکستان میں نو پارٹیوں کا متحدہ محاذ وجود میں آیا۔ اس کا مقصد بھٹو حکومت کو ختم کرکے "نظام مصطفیٰ" قائم کرنا تھا۔ ساری کوششوں کے باوجود مارچ ۱۹۷۷ کے الکشن میں اسلامی محاذ ہار گیا۔ اب صحیح طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی ہار کو مان کر دوبارہ کوشش کرتا کہ اگلے الکشن میں زیادہ بڑے پیمانہ پر عوامی تائید حاصل کرے، جیسا کہ ہندستان میں اندرا پارٹی کر رہی ہے۔ مگر اسلامی محاذ نے اس کے برعکس دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے شور مچانا شروع کیا کہ "بھٹو پارٹی دھاندلی کرکے الکشن جیتی ہے ورنہ عوام کی صدفی صد اکثریت ہمارے ساتھ ہے"۔ اس نے صرف شور وغل پر بس نہ کیا۔ عوام کی منفی جذباتیت اور تخریب پسندی سے فائدہ اٹھاکر اس نے شہروں میں ہڑتال اور توڑپھوڑ شروع کردی۔ یہ صورت حال فوجی افسروں کے لئے بے حد قیمتی تھی۔ انھوں نے موقع سے فائدہ اٹھاکر جولائی ۱۹۷۷ میں اقتدار پر قبضہ کرلیا۔

مگر پاکستانی شہروں میں اسلامی محاذ کی توڑپھوڑ اور فوجیوں کا اسلام آباد پر قبضہ دونوں ہی معروف و مسلّم طریقہ کے خلاف تھے۔ اس نے مسئلہ کو ختم نہیں کیا۔ بلکہ مسئلہ میں اضافہ کر دیا۔

فوجی افسران جو فوجی بیرک سے نکل کر اچانک صدارتی محل میں پہنچ گئے، عوام خاص طور پر دیہاتی عوام کی صورت حال سے بالکل بے خبر تھے۔ انھوں نے فوراً اعلان کر دیا کہ پاکستان میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ کو عام الکشن ہوگا۔ بھٹو کی سب سے بڑی سزا یہ ہوسکتی تھی کہ اس کو دوبارہ الکشن لڑنے کا موقع دیا جائے اور اس کا بیلٹ بکس خالی رہ جائے۔ ایک سیاسی لیڈر کے لئے یہ سزا موت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ مگر بھٹو کے نام پر ہونے والے جلسوں کی بھیڑ نے ثابت کر دیا کہ فوجی حکمرانوں کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ بھٹو کو اس قسم کی سزا دے سکیں۔ اب انھوں نے دوسرا فیصلہ کیا۔ وہ الکشن کے ذریعہ بھٹو کو قتل نہیں کرسکتے تھے،

انھوں نے طے کیا کہ وہ بندوق کی گولی سے بھٹو کو قتل کریں گے۔ اور اقتدار کی تبدیلی کے بعد یہ طاقت بہرحال فوجی حکمرانوں کے پاس موجود تھی۔

مگر معروف اور مسلّم طریقہ کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان میں نظام مصطفیٰ کے نام پر ایک ایسا نظام آرہا ہے جو نہ تو اسلامی نظام ہوگا اور نہ خالص سیاسی اور اقتصادی معنوں میں پاکستان کے لئے کسی بہتری کا باعث ہوگا۔ اس کا واحد انجام ہے —— لیاقت علی خاں کے قتل (۱۹۵۱) سے پاکستان میں جس بربادی کا آغاز ہوا تھا، مزید لامعلوم مدت تک اس میں اضافہ

اوپر کی سطریں ۲۵ مارچ ۱۹۷۸ کو لکھی گئی تھیں۔ ان کی کتابت ہو چکی تھی کہ بعض وجوہ سے ان کی اشاعت کو روک دیا گیا۔ اب اس کو مکمل کرکے شائع کیا جارہا ہے

محمد ایوب خاں نے اپنے زمانہ حکومت (۱۹۶۹ - ۱۹۵۸) میں بنیادی جمہوریت (یا محدود جمہوریت) کا نظام قائم کیا تھا۔ یہ اپنے ڈھانچہ کے اعتبار سے اسلام سے قریب تر تھا، تاہم اسلام پسندوں کو نظر آیا کہ ملک میں اگر بالغ رائے دہی کا نظام قائم ہو جائے تو ان کے لئے اقتدار تک پہنچنا زیادہ آسان ہو جائے گا۔ انھوں نے ملک کے مختلف سیاسی عناصر کے ساتھ مل کر "تحریک جمہوریت" چلائی اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے توڑ پھوڑ کی حد تک لے گئے۔ تاہم بالغ رائے دہی کی بنیاد پر پاکستان میں ہونے والے دو انتخابات (۱۹۷۰ء — ۱۹۷۷) میں ان کو مکمل ناکامی ہوئی

اب پاکستان میں جنرل ضیاء الحق اور اسلام پسند دونوں ایک مشترک مسئلہ سے دوچار تھے۔ وہ یہ کہ دونوں میں سے کسی کو یہ امید نہیں تھی کہ وہ بیلٹ بکس کے ذریعہ اقتدار کی کرسی پر پہنچ سکتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے اس کا حل یہ نکالا کہ انتخاب کے بجائے فوجی طاقت کے ذریعہ پاکستان کے اوپر مسلط ہو جائیں۔ تاہم انھیں ضرورت تھی کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے ایک "وزارت" بھی پاکستان میں قائم ہو۔ یہاں اسلام پسندوں کی مایوسانہ نفسیات نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ لوگ عوامی انتخابات کے ذریعہ اپنے سیاسی حوصلوں کو پورا نہیں کر سکتے تھے۔ انھوں نے جنرل ضیاء الحق سے سیاسی مصالحت کرکے عقب دروازہ سے ایوان حکومت میں داخلہ حاصل کر لیا۔ اطلاعات کے مطابق نام نہاد ۲۴ رکنی کابینہ میں تین وزارتیں اسلام پسند حلقے کو ملی ہیں —— بھٹو مخالف عناصر کو "وزارت" کی کرسی پر بٹھا کر جنرل ضیاء الحق سمجھتے ہیں کہ وہ "بھٹو ازم" کو پاکستان سے ختم کر سکیں گے۔ مگر ان کو اور ان کے سیاسی دوستوں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ منفی تدبیروں سے کبھی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

فوجیوں اور اسلام پسندوں کا یہ گٹھ جوڑ کسی بھی درجہ میں پاکستان کے سیاسی مسئلہ کو حل کرنے والا نہیں ہے۔ طویل اختلافی سیاست کے نتیجہ میں پاکستان میں عوامی جمہوریت کا جو ابال آچکا ہے اور جس کے لانے میں خود اسلام پسند بھی برابر کے شریک ہیں، وہ لاوا کی طرح اندر اندر پکتا رہے گا اور موقع پاکر جب ابلے گا تو نہیں معلوم کس کس چیز کو اپنے ساتھ بہالے جائے —— جمہوری سیلاب کا واحد روک دائمی فوجی ڈکٹیٹرشپ ہے۔ مگر وہ ایسا ہی ہے جیسے کونین کے بجائے زہر سے ملیریا کا علاج کرنا۔ (۲۴ اگست ۱۹۷۸)

اسلام کا طریقِ دعوت

قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ (شوریٰ — ۱۳)

اللہ نے تمھارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا۔ اور جس کی وحی ہم نے تمھاری طرف کی ہے اور جس کا حکم ابراہیم، موسٰی اور عیسٰی کو دیا تھا۔ یہ کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ مشرکوں پر وہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف تم ان کو بلاتے ہو

اقامت دین کی اس آیت کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ "دین کو قائم کرو، باطل کو مت قائم کرو" بلکہ یہ فرمایا کہ "دین کو قائم کرو، دین میں متفرق نہ ہو"۔ جس حالت کو اختیار کرنے کا حکم ہے اور جس حالت سے منع فرمایا گیا ہے دونوں، آیت کے الفاظ کے مطابق، خود دین سے متعلق حالتیں ہیں۔ اور ان دونوں حالتوں میں سے ایک دینی حالت کو چھوڑنے اور دوسری دینی حالت کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا اس آیت میں جو حکم ہے وہ اقامتِ باطل کے مقابلہ میں اقامت دین کا نہیں ہے بلکہ تفرق فی الدین کے مقابلہ میں اقامتِ دین کا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دین سے مراد صرف اساسی دین ہے۔ کیوں کہ اساسی دین تمام انبیاء کے درمیان یکساں تھا اور اسی میں سب کی مشترک پیروی کی جا سکتی ہے۔ تفصیلی شریعت قرآن کی تصریح (لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجا) کے مطابق ان کے درمیان مختلف تھی۔ اس لئے تفصیلی شریعت میں بیک وقت سارے نبیوں کی پیروی ممکن نہیں۔ تفصیلی شریعت میں نبیوں کے درمیان جو فرق تھا وہ کسی ارتقائی تشریع کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ حالات اور دعوتی مراحل میں فرق کی بنا پر تھا۔ یہ فرق مختلف مسلم گروہوں کے درمیان آج بھی ہے اور ہمیشہ پایا جاتا رہے گا۔ اس بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دین کے دو حصے ہیں۔ ایک وہ جو دائمی طور پر یکساں حالت میں مطلوب ہے۔ دوسرا وہ جو حالات کے تابع ہوتا ہے۔ پہلا حصہ اساسی تعلیم سے متعلق ہے اور اس کو قرآن میں الدین (شوریٰ) کہا گیا ہے۔ دوسرا حصہ شرعۃ اور منہاج (مائدہ ۴۸) کا ہے۔ یعنی فرعی قوانین اور طریق کار۔ پہلے حصۂ دین کو قرآن میں سبیل (راستہ) سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے حصۂ دین کو سُبل (راستے) کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلا حصہ ہمیشہ ایک رہتا ہے۔ وہ ہر زمانہ کے لئے واحد شاہ راہ ہے۔ اس کے برعکس دوسرے حصۂ دین کا تعلق حالات سے ہے اور اس میں ایک سے زیادہ صورتوں کی گنجائش رہتی ہے۔ حکم ہے کہ دعوت و اقامت کا موضوع الدین کو بناؤ، سُبل متفرقہ کو مت بناؤ۔ متفق علیہ دین کو قائم کرنے میں لگو، مختلف فیہ دین کے پیچھے پڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ۔

قرآن میں مختلف مقامات پر اہلِ ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اللہ نے تمھارے لئے عمل کی ایک

شاہراہ مقرر کردی ہے۔ تم اسی پر چلو، اِدھر اُدھر کے راستوں پر مت چلو۔ ورنہ تم اصل خدائی شاہراہ سے بھٹک جاؤ گے۔
اس شاہراہ کو قرآن میں دین قیم (بینہ) حبل اللہ (آل عمران) سواء السبیل (مائدہ) اور صراط مستقیم (انعام) وغیرہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ انعام کے ۱۹ ویں رکوع میں چند بنیادی چیزوں کا حکم دینے کے بعد ارشاد ہوا ہے:

وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذٰلکم وصٰکم بہ لعلکم تتقون (انعام - ۱۵۳)

کہہ دو کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ، سو تم اسی پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ تم کو اصل راہ سے جدا کر دیں گی۔ اللہ تم کو حکم دیتا ہے تاکہ تم متقی بنو۔

اس آیت میں متفرق راستے (سُبل) سے مراد کفر و شرک کے راستے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ راستے ہیں جو دین میں دین کے نام پر نکالے جاتے ہیں (قال مجاھد السبیل البدع، قرطبی)۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو کچھ مطلوب ہے وہ واضح الفاظ میں قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ قرآنی تعلیمات عملاً زندگی میں کس طرح تشکل ہوتی ہیں، اس کا واضح نمونہ رسولؐ اور اصحابِ رسولؐ کی زندگیوں میں موجود ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے اسی ثابت شدہ الدین پر قائم رہے۔ اس کے سوا دین میں ایسی باتیں نکالنا جو قرآن اور سنت سے بلا اختلاف ثابت نہ ہوں، اِدھر اُدھر کے راستوں پر بھٹکنا ہے جو آدمی کو اصل خدائی راستہ سے دور کر دیتا ہے۔ بطور خود آدمی سمجھتا ہے کہ وہ دین پر چل رہا ہے، حالانکہ اصل خدائی دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

دین اور شریعت کا فرق

الدین کیا ہے۔ یہ توحید ہے۔ یعنی ایک ہستی کو خالق و مالک ماننا، اسی کو اپنی تمام توجہات کا مرکز و محور بنانا، اسی کو اپنا سب کچھ سمجھنا، اسی کے آگے اپنے آپ کو جھکا دینا۔ یہی دین کا اصل سرا ہے۔ اس کا ہاتھ آنا تمام چیزوں کا ہاتھ آنا ہے۔ یہ اگر چھوٹ جائے تو کوئی بھی چیز آدمی کے حصہ میں باقی نہیں رہتی۔ خواہ ظاہرداری اور جدال کی سطح پر وہ اپنے آپ کو کتنا ہی دین دار ثابت کر رہا ہو۔ قرآن میں اقامت دین کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی الدین سے متعلق ہے۔ سورہ شوریٰ کی اس آیت میں اقامت دین سے مراد دراصل اقامت توحید ہے۔ یعنی بندے کو حقیقی معنوں میں خدا سے جوڑنا۔ اس کو وحدہٗ لاشریک کا سچا پرستار بنانا۔ اگر کوئی گروہ عبادت کے جزئی اور اختلافی مسائل پر فقہی نزاع کھڑی کرے یا دین قائم کرنے کے نام پر حکمراں جماعت سے سیاسی مقابلہ آرائی شروع کر دے تو یہ اقامت دین نہیں ہوگا بلکہ قرآن کے الفاظ میں سُبل متفرقہ کا اتباع ہوگا جو دین میں قطعاً ممنوع ہے۔ اس قسم کے ذیلی اور اختلافی امور پر معرکے کھڑے کرنا امت کی وحدت کو ختم کر دیتا ہے۔ امت فرقوں فرقوں میں بٹ کر اللہ کی اجتماعی نصرت سے محروم ہو جاتی ہے۔ اقامت دین متفق علیہ مسئلہ کے لئے جدوجہد کرنے کا نام ہے نہ کہ مختلف فیہ مسائل کو لے کر مسلمانوں میں جدال و نزاع برپا کرنے کا۔

الدین سے مراد اصلاً اگرچہ توحید ہے۔ تاہم تبعاً اس میں وہ تمام مسائل شامل ہوتے چلے جائیں گے جو قرآن و

سنت کے مطابق متفق علیہ ہوں اور جن میں ایک سے زیادہ رایوں کی گنجائش نہ ہو۔

مثلاً خدا کے وجود، اس کی وحدانیت، اس کی ربوبیت کو لوگوں کے سامنے لایا جائے تو اس سے اُمت میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوگا۔ کیوں کہ یہ عقائد محکم آیات و احادیث سے ثابت ہیں۔ اس کے برعکس اگر اس قسم کی بحثیں نکالی جائیں کہ خدا جسم رکھتا ہے یا نہیں۔ خدا کا عرش کہاں قائم ہے۔ خدا اپنا نظیر پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ وغیرہ تو ان چیزوں میں کبھی تمام امت متفق الرائے نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ یہ تمام چیزیں استنباطی نوعیت کی ہیں۔ ان میں خوض کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی کا استنباط اس کو ایک رائے کی طرف لے جائے گا، کسی کا دوسری طرف۔ اس طرح مختلف تعبیرات وجود میں آئیں گی۔ ہر تعبیر کے گرد اہلِ ایمان کا ایک گروہ جمع ہو جائے گا۔ ایک دین کے اندر کئی دین بن جائیں گے ——— اگر اول الذکر معتقدات کی تلقین کی جائے تو یہ اقامت دین ہوگا۔ اس کے برعکس اگر ثانی الذکر قسم کی اعتقادی موشگافیاں کی جانے لگیں تو یہ قرآن کے الفاظ میں تفریق فی الدین ہے۔ پہلی چیز مطلوب ہے اور دوسری چیز غیر مطلوب۔

یہی معاملہ ان امور کا ہے جن کو عبادات کہا گیا ہے۔ مثلاً نماز کے لئے وضو کا لازمی ہونا ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ مگر اس کے ارکان و شروط کی تعداد کے بارے میں ایک سے زیادہ رائیں ہیں۔ سنن و مستحبات کی تعداد تو درکنار فرائضِ وضو کی تعداد کے بارے میں بھی فقہاء متفق الرائے نہیں ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک فرائض وضو چار ہیں، مالکیہ کے نزدیک سات، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک چھ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ) اب اگر ان اختلافی امور میں تعداد کے تعین کو بحث و مباحثہ کا موضوع بنایا جائے تو مسئلہ کے استنباطی ہونے کی وجہ سے ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ ان کی تعداد کے بارے میں سب کی رائیں ایک ہو جائیں۔ اس قسم کی کوششِ اتحاد عملاً صرف اختلاف و انتشار پیدا کرنے کا سبب بنے گی۔ یہ ایک امت کو کئی امتوں میں تقسیم کردے گی۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ امورِ اتفاقی کو مدارِ دعوت بناؤ، امورِ اختلافی کو مدار دعوت نہ بناؤ۔

یہی معاملہ اسلامی سیاست کا ہے۔ اگر ایک شخص ایسا کرے کہ اپنے حکمرانوں کی اصلاح کے لئے اللہ سے دعا کرے، ان سے انفرادی ملاقات کر کے ان کو خدا پرستی اور آخرت پسندی کی تلقین کرے۔ سنجیدہ انداز میں تحریر و تقریر کے ذریعہ اسلامی سیاست کے پہلوؤں کو نمایاں کرے تو اس سے امت میں کوئی تفریق وجود میں نہیں آئے گی۔ اس کے برعکس اگر کچھ لوگ احتجاج و مطالبات کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو جائیں اور سیاسی محاذ بنا کر حکمرانوں کو اقتدار سے بے دخل کرنے کی تحریک چلانے لگیں تو اس کے نتیجہ میں لازماً یہ ہوگا کہ امت فرقوں فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک فرقہ حکمرانوں کا ساتھ دینے والوں کا ہوگا، دوسرا اس کو اقتدار سے ہٹانے والوں کا۔ اس طرح امت دو جتھوں میں بٹ کر ایک دوسرے سے لڑنا شروع کردے گی۔ اقامتِ دین کے نام پر تفریق فی الدین وجود میں آجائے گا۔

وضو کے آداب و قواعد کی "تعداد" کا معاملہ ایک استنباطی معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے تعین کے بارے میں اہل علم کی کئی رائیں ہوگئی ہیں۔ یہی کیفیت امتِ مسلمہ کے سیاسی مشن کی ہے۔ یہ بھی تمام تر ایک استنباطی معاملہ ہے۔ کیوں کہ قرآن و حدیث میں کوئی نص ایسی موجود نہیں ہے جو سیاسی مشن کی نوعیت کو صراحۃً متعین کر رہی ہو۔ اسی کا

یہ نتیجہ ہے کہ اس باب میں اہل علم کی رایوں میں تعدد پایا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے ایک گروہ کا اصرار ہے کہ امت مسلمہ کا اصل نصب العین یہ ہے کہ حکومت اسلامی کے قیام کی جدوجہد کی جائے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حکومت ایک امر موہوب ہے۔ یعنی وہ اللہ کی طرف سے بطور انعام ملتی ہے نہ کہ اس کو نشانہ بنا کر براہ راست جدوجہد کرنے سے۔ ایک اور طبقہ یہ کہتا ہے کہ اصل کام اصلاح معاشرہ ہے نہ کہ اصلاح حکومت۔ معاشرہ کی اصلاح ہوجائے تو خود بخود صالح حکومت قائم ہوجائے۔ ان نظری اختلافات کے علاوہ حکومت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں شدید عملی نزاکتیں بھی شامل ہیں۔ جب بھی کسی برسراقتدار گروہ کو اقتدار سے ہٹانے کی کوشش کی جائے گی، وہ لازماً اپنی طاقت کو اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف استعمال کرے گا۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر باہمی قتل وخون وجود میں آئے گا۔ "اقامت دین" عملاً تفریق فی الدین پر منتج ہوگا۔ شریعت کا ایسا معاملہ جس میں ایک سے زیادہ نقطۂ نظر قائم کرنے کی گنجائش ہو اس میں تمام لوگوں کو ایک جھنڈے کے نیچے لانے کی کوشش ہمیشہ یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے کہ کئی جھنڈے وجود میں آجاتے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ کے لئے حکم دے دیا گیا کہ اختلافی امور کو مدار تحریک نہ بناؤ۔ صرف اتفاقی امور پر اپنی تحریکوں کی بنیاد قائم کرو۔

انھیں اسباب کی بنا پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ صدر اول کے بعد خلافت، ملوکیت میں تبدیل ہوگئی اور ہزار برس تک چلتی رہی مگر صلحائے امت نے کبھی اس کے خلاف خروج نہیں کیا۔ انھوں نے حکمرانوں کو انفرادی نصیحتیں کیں مگر ان کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لئے کوئی ایجی ٹیشن نہیں چلایا۔ یہ صرف عصر حاضر کی نظامی تحریکوں کی دین ہے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو سیاسی انقلاب کو امت مسلمہ کا اصل مشن بتاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہر مسلم ملک میں مسلمانوں کے دو جتھے بن گئے ہیں۔ ایک حکمراں گروہ کا۔ دوسرا ان کے مخالف انقلابیوں کا۔ دونوں مسلم گروہوں کے درمیان لامتناہی سیاسی جنگ جاری ہے جو حرث اور نسل کی ہلاکت (بقرہ ۲۰۵) کے سوا کوئی اور تحفہ مسلمانوں کو نہیں دے رہی ہے۔ اور یہ سب کچھ ہو رہا ہے آقامت دین کے نام پر

سیاسی مشن کی نوعیت کے بارے میں علمائے امت کے درمیان کئی رائے کا پایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ سیاسی تحریکات کا مسئلہ "سُبل متفرقہ" کے ذیل کا مسئلہ ہے نہ کہ "الدین" کے ذیل کا مسئلہ۔ اس لئے ایک مصلح کے لئے یہ تو درست ہے کہ وہ مسلم حکمرانوں کے اندر بگاڑ دیکھے تو ناصحانہ انداز سے اس کو اصلاح حال کی تلقین کرے۔ مگر دین کی اقامت کا نام لے کر حکمرانوں سے سیاسی ٹکراؤ کرنا کتاب اللہ سے انحراف کے ہم معنی ہے۔ یہ سبل متفرقہ کا اتباع ہے نہ کہ حقیقۃً اقامتِ دین۔

اس تقسیم کا یہ مطلب نہیں کہ دین میں صرف کلیات مطلوب ہیں، جزئیات مطلوب نہیں ہیں۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ دین میں مطلوب حقیقی اور مطلوب اضافی کا جو فرق ہے اس کو ملحوظ رکھا جائے۔ حقیقی حصہ میں تاکید و تشدید کرتے ہوئے اس کے اضافی اجزاء میں توسع اور رواداری کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کھانے کے سلسلہ میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ حرام و حلال کے درمیان فرق کیا جائے۔ صرف حلال چیزوں کو اپنی غذا بنایا جائے اور حرام چیز کو حلق کے نیچے نہ اتارا جائے۔ دوسرا مسئلہ آداب

طعام کا ہے۔ مثلاً ہاتھ سے کھایا جائے یا چمچہ سے۔ فرش پر کھایا جائے یا میز کرسی پر۔ جوتا پہن کر کھایا جائے یا جوتا اتار کر۔ وغیرہ۔ پہلا مسئلہ کلیات دین کا مسئلہ ہے۔ اللہ نے نام لے کر متعین طور پر بتا دیا ہے کہ بندے کے لئے کیا چیز حلال ہے اور کیا حرام۔ مگر جہاں تک دوسری چیز کا تعلق ہے، اس میں اس قسم کی تعیناتی زبان استعمال نہیں کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور اصحاب کرام کی زندگیوں میں اس سلسلے میں ایک سے زیادہ نمونے ملتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ایک شخص حرام وحلال کے منصوص احکام کو تاکید وتشدید کا موضوع بنائے تو امت میں فرقہ بندی کی نوبت نہیں آئے گی۔ کیونکہ یہ عملاً انھیں چیزوں کی تاکید وتشدید ہوگی جو تمام علماء امت کے درمیان پہلے سے متفق علیہ ہیں۔ رائے کی حد تک ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس کے برعکس اگر آداب طعام کے مسائل پر تاکید وتشدید کی جانے لگے تو ساری امت کا کسی ایک مسلک پر متحد الرائے ہونا ممکن نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک شخص کہے گا کہ جوتا اتار کر کھانا ضروری ہے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے اخلعوا نعالکم۔ دوسری طرف کسی اور کو یہ کہنے کا موقع ہوگا کہ یہ کوئی جائز ناجائز کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ضرورت کا معاملہ ہے۔ جس میں سہولت ہو وہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ پوری حدیث اس طرح ہے: اخلعوا نعالکم فانها اروح لاقدامکم (اپنے جوتے اتار دو کیونکہ اس میں تمھارے پیروں کے لئے زیادہ راحت ہے)۔ اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ کلوا من الطیبات واعملوا صالحا (مومنون ۵۱) پر تو خوب زور دیا جائے۔ مگر آداب طعام کی نوعیت کی چیزوں میں رواداری اور توسع کا طریقہ اختیار کیا جائے ——— تحریک اہل حدیث اپنی اصلی اور ابتدائی شکل میں اسی کا نام تھی۔ اگرچہ بعد کو وہ اس مسلک پر قائم نہ رہ سکی۔ کم از کم عوام کی سطح پر یہی صورت حال ہے۔

دین کی تکمیل کیا ہے

موجودہ زمانہ میں "مکمل اسلامی انقلاب" کے علم برداروں اور "غیر مکمل حاملین دین" کے درمیان مختلف ملکوں میں جو تصادم جاری ہے، اس کی بنیاد دراصل "دین کامل" کا غلط نظریہ ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک کامل (تمدنی قوانین کے اعتبار سے کامل) دین ہے اس لئے دین کو قائم کرنے کا مطلب لازماً یہی ہے کہ اس کو ایک کامل تمدنی نظام کی حیثیت سے برپا کیا جائے۔ اگر کامل دین کا یہ مطلب ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ناقص دین تھا۔ کیوں کہ معلوم ہے کہ ان کو تمدنی ضوابط وقوانین سرے سے دیئے نہیں گئے اور اسی طرح دوسرے اکثر انبیاء کو۔ حالاں کہ قرآن میں صراحت ہے کہ تم کو بھی وہی دین دیا گیا ہے جو دوسرے نبیوں کو دیا گیا تھا اور اسی دین کو تمھیں قائم کرنا ہے (شوری ۱۳)

اصل یہ ہے کہ دین نام ہے پورے معنوں میں موحّد بننے کا۔ دین کا کامل ہونا دراصل توحید کا کامل ہونا ہے۔ کوئی شخص جتنا زیادہ اپنے رب کو پالے اتنا ہی اس نے اپنے دین کو کامل کیا اور جس نے اپنے رب کو جتنا کم پایا اتنا ہی اس کا دین ناقص رہا۔ قانونی دفعات خواہ کتنی ہی زیادہ لکھ دی جائیں پھر بھی وہ دین کو مکمل نہیں کریں گی۔ مثال کے طور پر

قرآن میں اگر ساتویں صدی عیسوی کی دنیا سے متعلق سارے احکام وضوابط بالتفصیل درج کر دیئے جاتے جب بھی بہت سی قانونی باتیں لکھنے سے رہ جاتیں، جیسے سمندری قوانین، خلائی ضوابط وغیرہ۔ کیوں کہ ان مسائل کا اُس وقت کوئی وجود ہی نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کامل کا یہ مطلب لیا جائے تو اسلام بھی دین کامل نظر نہ آئے گا۔

امیر ہمدانی کی مثال

مذکورہ اسلامی طریق کار کی ایک مثال کشمیر کی تاریخ میں پائی جاتی ہے۔ کشمیر کو عام طور پر لوگ اس کے قدرتی حسن کی وجہ سے جانتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہاں اس سے بھی زیادہ بڑی چیز موجود ہے۔ یہ اسلامی طریق کار کا وہ نمونہ ہے جو میر سید علی ہمدانی (۱۳۸۴-۱۳۱۴ء) کی زندگی میں ملتا ہے۔ موصوف نے، جن کو کشمیری عام طور پر "امیر کبیر" کہتے ہیں اپنے عمل سے ایک عظیم قابل تقلید نمونہ قائم کیا ہے جس کی مثال حالیہ صدیوں میں کم ملے گی۔ کشمیر اپنے قدرتی مناظر کی وجہ سے اگر جنت نظیر ہے تو اپنے تاریخی نمونہ کے ذریعہ وہ ہم کو اسلام کے طریق دعوت کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال (۱۹۳۸-۱۸۷۷) نے امیر کبیر کی بابت کہا تھا:

دستِ او معمار تقدیر امم

امیر کبیر کی بابت یہ الفاظ صد فی صد درست ہیں۔ موجودہ مسلم کشمیر زیادہ تر آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مگر امیر کبیر نے یہ کام "شمشیر و سناں" یا "بازمانہ ستیز" کے ذریعہ نہیں کیا جو موجودہ زمانہ کے مسلم رہنماؤں کا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ رہا ہے۔ انھوں نے یہ کامیابی "شمشیر و سناں" کو ترک کر کے حاصل کی۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ ——— اسلام کو زندہ کرنا چاہتے ہو تو مقابلہ آرائی کے ذہن کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دو، مذہبی اور سیاسی جھگڑے کھڑے کرنے سے مکمل پرہیز کرو۔ اس کے بعد تم کو خدا کی نصرتیں ملیں گی اور اسلام اور مسلمانوں کو عزت و سربلندی حاصل ہوگی۔

میر سید علی ہمدانی ایران کے رہنے والے اور تیمور لنگ (۱۴۰۵-۱۳۳۵ء) کے ہم عصر تھے۔ شاہ تیمور ان سے کسی بات پر ناراض ہوگیا اور ان کو ایران سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اب امیر کبیر کے لئے ایک راستہ یہ تھا کہ وہ تیمور لنگ کے خلاف جہاد کا نعرہ لگائیں اور ایران میں حکومت صالحہ قائم کرنے کی جد وجہد کریں خواہ اس کے نتیجہ میں ان کو شہید ہو جانا پڑے۔ مگر امیر کبیر نے سیاسی تصادم سے پرہیز کیا۔ وہ اپنے چالیس ساتھیوں کو لے کر اپنے وطن ہمدان سے نکل پڑے۔ افغانستان ہوتے ہوئے یہ قافلہ ۷۸۱ھ میں کشمیر پہنچا جس کو امیر کبیر اس سے پہلے ۷۶۲ھ میں سیاحت کے دوران دیکھ چکے تھے۔

کشمیر پہنچ کر دوبارہ موقع تھا کہ یہاں سے شاہ تیمور کے خلاف سیاسی تحریک چلائی جائے۔ تیمور کے معاصرین میں ایسے لوگ تھے جو سیاسی وجوہ سے اس سے بغض رکھتے تھے۔ امیر کبیر ان کے ساتھ متحدہ محاذ بنا کر تیموری اقتدار کو ختم کرنے کی مہم جاری رکھ سکتے تھے۔ مگر امیر کبیر نے اس قسم کی کسی بھی کارروائی سے مکمل پرہیز کیا۔ اسی طرح قیادت کا ایک اور راستہ ان کے لئے پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ یہ اس وقت کے کشمیری مسلمانوں کی اقلیت کے معاشی اور سماجی حقوق کا مسئلہ تھا۔ اس وقت کشمیر میں اگرچہ ایک مسلم خاندان کا راج تھا۔ مگر کشمیری مسلمان ریاست میں ایک کمزور اور غریب اقلیت

کی حیثیت رکھتے تھے ۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ ان سے جبراً بت خانوں کے نذرانے وصول کئے جاتے تھے ۔ امیر کبیر ان کی طرف سے حقوق طلبی کی مہم چلا کر فی الفور مسلمانوں کے قائد بن سکتے تھے ۔ مگر امیر کبیر نے اس قسم کی "ملی سیاست" سے بھی کوئی سروکار نہ رکھا ۔

اسی طرح امیر کبیر کے لئے ایک راستہ یہ تھا کہ وہ "انسانیت" کے پیام بر بن کر اٹھیں اور ریاست کے مختلف فرقوں کو امن کے ساتھ رہنے کا وعظ سنائیں ۔ ایسا کر کے وہ بہت جلد دونوں فرقوں کے درمیان ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل کر سکتے تھے ۔ کیوں کہ ہر وہ تحریک لوگوں کو بہت پسند آتی ہے جس میں حق و باطل کا مسئلہ چھیڑے بغیر رواداری اور میل جول کا اپدیش دیا گیا ہو ۔ جس میں کوئی اپنے اوپر زد پڑتی ہوئی محسوس نہ کرے ۔ مگر اس قسم کی تحریک جلسوں اور تقریروں کی سطح پر خواہ کتنی ہی کامیاب نظر آئے ، عملی نتیجہ کے اعتبار سے وہ ہمیشہ بے فائدہ ثابت ہوتی ہے ۔ مزید یہ کہ اس کام کا اسلامی دعوت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ۔ اس قسم کا کام ، اپنی ظاہری خوش نمائی کے باوجود ، صرف مسائل دنیا کی طرف متوجہ کرنے کا کام ہے ۔ جب کہ اسلامی دعوت کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو مسائل آخرت کی طرف متوجہ کیا جائے ۔

امیر کبیر کا پروگرام نہ شاہ تیمور کے خلاف ردعمل کے طور پر بنا اور نہ کشمیری مسلمانوں کے وقتی حالات سے متاثر ہو کر ۔ اس وقت کشمیر میں ایک مسلم راجہ (سلطان قطب الدین) کی حکومت تھی ۔ اس کے اندر بہت سی اعتقادی اور عملی خرابیاں موجود تھیں ۔ آپ نے سلطان کو ناصحانہ انداز کے خطوط بھیج کر اصلاح حال کی طرف متوجہ کیا ۔ تاہم آپ نے اس کو اقتدار سے ہٹانے اور اس کی جگہ صالح حکمراں لانے کی کوئی مہم نہیں چلائی ۔ امیر کبیر نے ان تمام عوامل سے اوپر اٹھ کر سوچا اور خود اپنے مثبت فکر کے تحت اپنا پروگرام بنایا ۔ پھر یہ پروگرام بھی کوئی کنونشن یا کانفرنس کا انعقاد نہ تھا ۔ یہ تمام تر ایک خاموش عملی پروگرام تھا ۔ وہ اور ان کے رفقاء ریاست کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور خاموشی کے ساتھ یہاں کے باشندوں میں اسلام کی تبلیغ کرنے لگے ۔ انھوں نے کشمیریوں کی زبان سیکھی ۔ یہاں کے حالات سے اپنے کو ہم آہنگ کیا ۔ اجنبی دیس میں اپنے لئے جگہ بنانے کی مصیبتیں اٹھائیں ۔ اس طرح صبر و برداشت کی ایک زندگی گزارتے ہوئے اپنے خاموش دعوتی مشن کو جاری رکھا ۔

کشمیر میں اسلام

کشمیر میں اسلام کا ابتدائی داخلہ اگرچہ محمد بن قاسم (۹۶ - ۶۶ ھ) کے زمانہ میں ہوا ۔ تاہم ریاست میں اسلام کی نمایاں اشاعت غالباً سید بلبل شاہ قلندر ترکستانی کے وقت سے شروع ہوئی ۔ سات سو سال پہلے کشمیر میں ایک بودھ راجہ رنچن شاہ کی حکومت (۲۳ - ۱۳۲۰ ء) تھی ۔ یہ راجہ سید بلبل شاہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ۔ اس زمانہ میں لوگ اپنے سرداروں کے دین پر ہوتے تھے ۔ راجہ کو دیکھ کر کشمیریوں کی ایک تعداد مسلمان ہو گئی ۔ حضرت بلبل شاہ صاحب فقہی مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے ۔ چنانچہ اس وقت جو لوگ مسلمان ہوئے ، ان کے اثر سے وہ حنفی مسلک کے مطابق عبادت کرنے لگے ۔ میر سید علی ہمدانی کی تبلیغ سے جب کشمیری باشندے مسلمان ہونے لگے تو ایک مسئلہ پیدا ہو گیا ۔ "یہ نو مسلم کس فقہی مسلک پر عبادت کریں" ۔ حضرت امیر کبیر خود شافعی المسلک تھے اور اس وقت کشمیر میں جو مسلمان تھے وہ حنفی

المسلک۔ امیر کبیر اگر ان نومسلموں کو اپنے فقہی مسلک کی تلقین کرتے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ مسلمانوں میں دو گروہ بن جاتے۔ ایک امیر کبیر کے ہاتھ پر اسلام لائے ہوئے لوگوں کا۔ دوسرا بقیہ کشمیری مسلمانوں کا۔ حنفی اور شافعی کا یہ جھگڑا نہ صرف دونوں کے مدرسوں اور مسجدوں کو الگ کر دیتا بلکہ اپنے اپنے فقہی مسلک کی صحت و افضلیت ثابت کرنے کی کوشش میں اصل تبلیغی کام پس پشت پڑ جاتا۔ کشمیری مسلمان دو جتھوں کی صورت اختیار کر کے ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیتے۔ وہ قوت جو دینِ حق کی اشاعت میں صرف ہوتی آپس کے جھگڑوں میں برباد ہو جاتی۔ نسلیں گزر جاتیں مگر یہ اختلاف کبھی ختم نہ ہوتا۔

میر سید علی ہمدانی نے صرف اساسات دین کی تبلیغ کی۔ انھوں نے فقہی مسالک کی کوئی بحث نہیں چھیڑی۔ انھوں نے یہاں تک احتیاط کی کہ اپنا شافعی المسلک ہونا اپنے پیرووں سے پوشیدہ رکھا۔ عام مسلمانوں کے ساتھ خود بھی حنفی طریقہ پر نماز پڑھتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اسی کے مطابق عبادت کرنے کی تلقین کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر میں ان کو کام کرنے کے مکمل مواقع ملے۔ ان کو ہر طبقہ کا تعاون حاصل رہا۔ غیر متعلق مسائل کے الجھاووں سے وہ بالکل محفوظ رہے۔ اپنی دعوتی جدوجہد میں ان کو اتنی کامیابی ہوئی کہ کشمیر دائمی طور پر مسلم اکثریت کا علاقہ بن گیا۔ امیر کبیر اگر یہاں حنفی مسلک اور شافعی مسلک کی بحثیں چھیڑتے تو ان کو یہ کامیابی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور بالفرض اگر کوئی کامیابی ہوتی تو وہ بھی اس قیمت پر کہ ان کی آمد کشمیری مسلمانوں کو دو متحارب فریقوں میں بانٹ دینے کا سبب بن جاتی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو لوگ اس راہ پر چلیں ان کا کسی سے اختلاف نہیں ہوگا۔ بامقصد آدمی کے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ خود امیر کبیر کے حالات بتاتے ہیں کہ ۷۳ سال کی عمر میں موضع پکھلی (کشمیر) کے کچھ شریر لوگوں نے آپ کو زہر دے دیا۔ اور اسی میں آپ کا انتقال ہوا۔ تاہم اس قسم کا اختلاف محض ذاتی وجوہ سے ہوتا ہے اور وہ داعی کو صرف ذاتی نقصان پہنچاتا ہے جب کہ ایک غیر دینی مسئلہ کو دینی بنانا دین میں فرقہ بندی کو جنم دیتا ہے جو اتنا بڑا جرم ہے کہ کسی گروہ سے وہ تمام نعمتیں چھن جاتی ہیں جو کتاب الٰہی کا حامل ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے مقدر کی گئی تھیں۔

امیر کبیر سید علی ہمدانی کی زندگی اسلامی طریق کار کی نہایت کامیاب عملی مثال ہے۔ اپنی دعوتی جدوجہد میں انھوں نے جس چیز کو مرکز توجہ بنایا وہ توحید و آخرت کا مسئلہ تھا۔ اس کے علاوہ سیاسی مسئلے، معاشی مسئلے، فقہی مسئلے انھوں نے بالکل نہیں چھیڑے۔ وہ اصل دین پر یکسو رہے نہ کہ متفرقات دین پر۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے نزدیک سیاست اور معاش دین سے خارج تھی یا عبادت کی ادائگی میں آداب اور مناسک کے لحاظ کو وہ غیر ضروری سمجھتے تھے۔ وہ ہر ایک کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے اور ہر چیز کو انھوں نے بالفعل اختیار کیا۔ تاہم انھوں نے جس چیز کو دعوت و اقامت کا عنوان بنایا وہ متفق علیہ دین تھا نہ کہ سبل متفرقہ۔

امیر کبیر فقہ کی تمام شرائط کے مطابق مکمل نماز پڑھتے تھے مگر فقہی اختلافات کے پیچھے پڑنا، ایک مسلک کو غلط ثابت کر کے اس کی جگہ دوسرے مسلک کی ترجیح قائم کرنا، انھوں نے اپنا مشن نہیں بنایا۔ اسی طرح معاشیات کے سلسلے میں انھوں نے ایک راستہ اختیار کیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ اور ان کے ساتھی زندہ کیسے رہ سکتے تھے۔ مگر معاشی مسائل کو حل کرنے

یا اس کو پوری ملت کا مشترک مسئلہ بنا کر اس کی بنیاد پر تحریک چلانے کا طریقہ انھوں نے اختیار نہیں کیا۔ اسی طرح سیاست کا نعرہ نہ لگانے کے باوجود ان کی ایک سیاست تھی، بلکہ نہایت گہری سیاست تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج کشمیر کو یہ مقام نہ ملتا کہ یہاں صرف مسلم وزارت بنتی ہے۔ دوسری وزارت بننے کا یہاں کوئی سوال نہیں۔ کشمیر کو یہ سیاسی عطیہ تمام تر امیر کبیر کی دین ہے۔ اگرچہ معروف معنوں میں انھوں نے کوئی سیاسی پروگرام اپنی زندگی میں نہیں چلایا اور نہ کوئی ان کو "سیاسی لیڈر" کی حیثیت سے جانتا ہے ـــــــ امیر کبیر ہر چیز کے پیچھے نہیں دوڑے۔ انھوں نے صرف یہ کیا کہ حقیقت کا سرا پکڑ لیا۔ اس کے بعد سب چیزیں خود بخود ان کی طرف آتی چلی گئیں۔

خلاصہ

دین میں اصل اہمیت کی چیز یہ ہے کہ آدمی شرک سے مکمل طور پر بچے اور صرف خدائے واحد کو اپنا مرکز توجہ بنائے۔ اسی سے پوری زندگی سدھرتی ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ اسی کی سب سے زیادہ تاکید کریں اور اسی کو دعوت وتبلیغ کی بنیاد بنائیں۔ اس کے بعد تفصیلی معاملات میں دین کے جو تقاضے مطلوب ہیں ان میں حالات کے مطابق کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ تاہم ان چیزوں کو دعوتی مہم کے طور پر اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری نوعیت کے کسی مسئلہ کو جب آدمی مدار دعوت بناتا ہے تو گویا وہ ایک فرعی مسئلہ کو اساسی مسئلہ کے مقام پر رکھتا ہے۔ اس قسم کا کوئی عمل دین کے نظام کو درہم برہم کردینے والا ہے۔

آپ ایک خاص فقہی مسلک کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں تو کیجئے۔ مگر اس کی بنیاد پر مسجد اور مدرسہ نہ بنایئے۔ آپ ایک طریقہ کے تقدس کے قائل ہیں تو قائل رہئے۔ مگر اس کو دوسروں کی اسلامیت ناپنے کا پیمانہ مت قرار دیجئے۔ کسی مسلم حکمراں نے "بنیادی جمہوریت" کا نظام قائم کر رکھا ہے اور آپ اس کے مقابلہ میں "عوامی جمہوریت" کو صحیح سمجھتے ہیں تو ناصحانہ انداز میں اپنی بات دوسروں تک پہنچایئے۔ مگر اس مسئلہ کو لے کر ملک کو سیاسی اکھاڑا مت بنایئے۔ اگر آپ کو نظر آتا ہے آپ کی ملت کے معاشی اور سماجی حقوق "پامال" ہورہے ہیں تو لوگوں میں یہ جذبہ ابھاریئے کہ وہ قوت دامانت (قصص ۲۶) کے ذریعہ اپنا مسئلہ آپ حل کرنے کی کوشش کریں۔ مگر اس کو لے کر مفروضہ ظالموں کے خلاف احتجاج اور مطالبات کا طوفان برپا نہ کیجئے ـــــ اس قسم کی ہر تحریک دین کے سبیل واحد کو چھوڑ کر سُبُل متفرقہ پر دوڑنا ہے ایسی کوششیں خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ کی جائیں، عملاً صرف فساد برپا کرتی ہیں۔ وہ نہ صرف آدمی کو حقیقی خداپرستی سے دور کردیتی ہیں، بلکہ امت کو مختلف ٹولیوں اور جماعتوں میں تقسیم کردینے کا باعث بنتی ہیں۔ اور امت کا تقسیم ہونا اللہ تعالیٰ کو اتنا زیادہ ناپسند ہے کہ ایسے لوگوں سے اللہ کی اجتماعی نصرتیں اٹھالی جاتی ہیں اور وہ اس وقت تک واپس نہیں آتیں جب تک امت اپنی تفریقات کو ختم کرکے دوبارہ امت واحدہ نہ بن جائے۔

نوٹ: یہ مقالہ جمعیۃ اہل حدیث جموں وکشمیر کے سالانہ اجلاس بمقام سری نگر کے موقع پر ۳۰ جولائی ۱۹۷۸ کو پڑھا گیا۔

از
مولانا وحید الدین خاں

جس کو پڑھ کر دل دہل اٹھیں
اور آنکھیں آنسو بہائیں

صفحات ۶۴ قیمت تین روپے

عقلیات اسلام

از
مولانا وحید الدین خاں

اسلام کے خلاف جدید اعتراضات کا
علمی و عقلی جواب

صفحات ۴۸ قیمت دو روپے

مکتبہ الرسالہ • جمعیۃ بلڈنگ • قاسم جان اسٹریٹ • دہلی ۱۱۰۰۰۶

ایک بزرگ "ظہور اسلام" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ نے سیاسی قوت کی فراہمی کو تکمیل دین قرار دیا ہے۔ گویا جب جب بھی سیاسی قوت اسلام کی پشت پر نہیں رہے گی، دین غیر کامل ہو جایا کرے گا۔ آپ لکھتے ہیں کہ ہر نبی کو اپنے زمانہ میں کامل دین دیا گیا۔ مگر سیاسی قوت سب کو نہیں دی گئی۔ پھر تطبیق کیسے ہوگی" (۔۔۔ بھوپال)

جواب

یہ تبصرہ ظہور اسلام کے صفحہ ۶ اور صفحہ ۱۱۰ سے متعلق ہے۔ مگر مذکورہ سوال میں ہماری بات کی صحیح ترجمانی نہیں ہے۔ ہم نے جو بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ آیت کا فقرہ (الیوم یئس الذین کفروا من دینکم) بتا رہا ہے کہ اس موقع پر الیوم اکملت لکم دینکم سے کیا مراد ہے۔ اس سے مراد ہے منکرین خدا کا "تمھارے دین سے مایوس ہو جانا"۔ مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے بعد اتری اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے غالب آجانے کی وجہ سے دشمنان دین مایوس ہو گئے کہ اب وہ اس دین کو باطل نہ کر سکیں گے۔

اسلام کا یہ غلبہ اتنے بڑے پیمانہ پر ہوا کہ مرکز اسلام (عرب) سے دوسرے تمام ادیان کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ نیز اس کے آس پاس ایشیا اور افریقہ کے درجنوں ممالک مسلم ممالک میں تبدیل ہو گئے۔ اس طرح جزیرۂ عرب اور اس کے ارد گرد ایک ایسا اسلامی خطہ وجود میں آگیا جو دائمی طور پر اسلام کی حفاظت کا ضامن بن گیا۔ اس سیاسی اہتمام کے علاوہ دین کی حفاظت کی پشت پر دوسرے بہت سے تاریخی اسباب بھی جمع کر دیئے گئے جس کے بعد اب یہ امکان مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے کہ منکرین کسی بھی حال میں دین خدا کو باطل کر سکیں جس طرح خاتم النبین سے پہلے کے دور میں وہ کرتے رہے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ قرآن چودہ سو برس بعد بھی ٹھیک اسی طرح محفوظ ہے جیسا کہ وہ دور اول میں نازل ہوا تھا۔ جب کہ یہی بات اس سے پہلے کسی آسمانی کتاب کے لئے ممکن نہ ہو سکی تھی۔

—— ۲ ——

ایک کرم فرما لکھتے ہیں کہ الرسالہ میں نقد لاذع ہوتا ہے" (یعنی تکلیف دہ تنقید)

جواب

ہمارے نزدیک تنقید کی دو قسمیں ہیں۔ ایک لفظی ریمارک۔ دوسرے علمی تنقید۔ لفظی ریمارک ہر حال میں غلط ہے۔ خواہ وہ سنجیدہ الفاظ میں ہو یا تیر و نشتر کی زبان میں۔ مگر علمی تنقید عین مطلوب ہے۔ علمی تنقید سے مراد وہ تنقید ہے جو جدید اصطلاح کے مطابق تجزیاتی ہو اور لازماً سنجیدہ زبان میں کی گئی ہو۔

ایک شخص جو اپنے خلاف تنقید سننا نہ چاہتا ہو، وہ جب ایسی تنقید پڑھے گا جس میں اس کے اوپر زد پڑ رہی ہو تو وہ اس کو "نقد لاذع"، محسوس ہوگی۔ بلکہ تنقید اگر دلیل اور برہان کی زبان میں ہے تو وہ اس کے لئے اور زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوگی۔ کیوں کہ اس کو محسوس ہوگا کہ وہ اپنے خلاف ایسی تنقید سے دوچار ہے جس کو وہ دلائل کے ذریعہ رد نہیں کر سکتا۔

آدمی اگر صحیح معنوں میں حق پرست ہو تو وہ تنقید سے خوش ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ اس کے لئے سچائی کا پردہ کھولنے والی ثابت ہوتی ہے اور اگر وہ حق کے نام پر کسی اور چیز کی پرستش میں مبتلا ہو تو وہ تنقید

سن کر بگڑ اٹھتا ہے۔ کیوں کہ تنقید اس کے محبوب دیوتاؤں کو اس مقام بلند سے ہٹاتی ہوئی نظر آتی ہے جہاں اس نے انھیں بطور خود بٹھا رکھا ہے۔

—— ۳ ——

ستمبر کا الرسالہ پیش نظر ہے۔ اس سے پہلے آپ نے کسی کا قول ۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ کو رسول کریم کی طرف منسوب کر دیا۔ میں نے آپ کو متوجہ کیا تھا کہ اگر یہ حدیث ہے تو آپ اس کا حوالہ دیں اور اگر نہیں ہے تو اس کا ذکر الرسالہ میں کر دیں۔ الرسالہ میں جہاں تاریخ پیدائش اور دوسرے حوالوں کا کافی اہتمام ہوتا ہے یہ بڑے افسوس کی بات ہوتی ہے کہ کسی قول کو نقل کر کے بلا تحقیق اس کو حدیث رسول کہہ دیا جائے۔ کم از کم یہ "آخرت رخی زندگی" کے حامل انسان کا کام تو نہیں ہوتا۔ ستمبر کے الرسالہ میں صفحہ ۱۸ پر آپ نے تخلقوا باخلاق اللہ کو حدیث کے الفاظ کہا ہے۔ آپ نے اس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ جہاں تک میری تحقیق ہے یہ حدیث رسول نہیں ہے۔ اور الرسالہ میں جہاں ہر چیز تحقیق کی کسوٹی پر کسنے کا ڈنکا پیٹا جاتا ہے اور اس امتیاز کا پندار ہر جملہ سے ٹپکتا ہے وہاں حدیث کے معاملہ میں کوتاہیاں زیب نہیں دیتیں۔ مجھے یقین ہے کہ آخرت میں اگر ہر قول اور فعل کے حساب دینے کا یقین ہو تو آپ ان دونوں فقروں کے تعلق سے آئندہ شمارے میں حوالے کی تصریح کریں گے۔ یا یہ اعتراف کریں گے کہ یہ فقرے اقوال رسول میں سے نہیں ہیں۔ اور اس پر نشان دہی کئے جانے پر آخرت رخی زندگی کا ثبوت اس کے اعتراف سے قارئین کو دیں گے۔ (یکم ستمبر ۱۹۷۸)

(مولانا) محمد جمیل

تامل ناڈو اسلامک فاؤنڈیشن

تقی الدین خاں بہادر اسٹریٹ۔ مدراس ۵

جواب

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ کے سلسلے میں آپ کے توجہ دلانے کے بعد تصحیح کر دی گئی تھی۔ تقابل کے لئے ملاحظہ ہو:

الرسالہ جنوری ۱۹۷۸ صفحہ ۱۰

ظہور اسلام صفحہ ۱۰۲

تخلقوا باخلاق اللہ کے سلسلہ میں آپ کے توجہ دلانے کا شکریہ۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس کی بھی تصحیح کر دی جائے گی۔

دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک خود اپنے لئے مفید ہوتا ہے

شیخ سعدی شیرازی (۶۹۱ — ۵۸۹ ھ) کی کتاب بوستاں کے شروع میں ایک حکایت درج ہے۔ اس کا عنوان ہے: "پند دادن کسریٰ ہرمز را" اس حکایت کے مطابق ایران کا بادشاہ نوشیرواں جب مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس نے اپنے جانشین ہرمز کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ ان میں سے ایک نصیحت، سعدی کے الفاظ میں، یہ تھی:

مراعات دہقاں کن از بہر خویش　　　که مزدور خوش دل کند کار بیش

یعنی چودھریوں اور سرداروں کے ساتھ رعایت کرو، اس سے خود تم کو فائدہ ہوگا۔ کیوں کہ مزدور جب خوش ہو تو وہ کام زیادہ کرتا ہے۔

۔۔۔حکمران کے دل مردار سے زیادہ متعفن ہوں گے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا تقوم الساعۃ حتی یبعث اللہ امراء کذبۃ ووزراء فجرۃ واعوانا خونۃ وعرفاء ظلمۃ وقراء فسقۃ سیماھم سیمی الرھبان وقلوبھم انتن من الجیفۃ اھوائھم مختلفۃ فیتیح اللہ لھم فتنۃ غبراء مظلمۃ فیتھاوکون فیھا

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک وہ دور نہ آجائے جس میں جھوٹے حکمراں، بُرے وزراء، بد دیانت ملازمین حکومت، ظالم قائدین ظہور میں نہ آجائیں۔ اس زمانہ میں ایسے فاسق علماء ہوں گے جن کا ظاہر پارسا ؤں جیسا ہوگا اور ان کے دل مردار سے زیادہ متعفن ہوں گے۔ ان کی خواہشات ایک دوسرے سے الگ ہوں گی۔ اس زمانہ میں اللہ ایک ایسا اندھا فتنہ برپا کرےگا جس میں لوگ حیران و سرگرداں ہو کر رہ جائیں گے۔

یہ تاریخ کا نازک ترین دور ہوگا۔ اس دور کی پہچان یہ ہے کہ شخصی اور گروہی مصلحتوں کو سب سے زیادہ اہم سمجھا جانے لگے اور حق، اپنی تمام تابانیوں کے باوجود، انسانی آوازوں میں گڈمڈ ہو جائے۔ اس وقت کسی بندۂ خدا کو جو چیز بچائے گی وہ صرف خدا کی مدد ہے اور خدا کی مدد ملتی ہے تضرع اور انابت سے۔

▫▫

مسلمانوں کی تباہی کے سبب صرف دو ہیں
ایک، قرآن کو چھوڑ دینا۔ دوسرے، باہمی جنگ وجدال

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپ نے بہت اہم بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا:

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا۔ دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کر دوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

وحدت امت، از مولانا مفتی محمد شفیع۔ شائع کردہ مکتبہ المنیر، فیصل آباد۔ پاکستان

جمعیۃ اہل حدیث کی دعوت پر کشمیر کا سفر ہوا اور ان کے سالانہ اجلاس بمقام سری نگر (۲۹ - ۳۰ جولائی ۱۹۷۸) میں شرکت ہوئی۔ ایک ہفتہ قیام کے بعد ۶ اگست ۱۹۷۸ کو دہلی واپس آیا۔

جمعیۃ اہل حدیث کی کارروائیوں اور تقریروں میں زیادہ تر زور اثبات توحید اور رد شرک پر تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس خاص دینی خدمت کے معاملہ میں جمعیۃ اہل حدیث کو، دوسرے اسلامی حلقوں کے مقابلہ میں امتیازی مقام حاصل ہے۔ جمعیۃ کے دفتر (بربر شاہ) پر بھی چند گھنٹے گزرے۔ کافی وسیع عمارت ہے جس میں جمعیۃ کے دفاتر کے علاوہ مسافر خانہ اور دارالعلوم قائم کرنے کا منصوبہ ہے۔ جمعیۃ کے تحت مکتبہ مسلم عرصہ سے قائم ہے۔ اب اس کو از سر نو منظم کیا جارہا ہے۔ مکتبہ مسلم (بربر شاہ، سری نگر) نے ماہنامہ الرسالہ کی ایجنسی لے لی ہے۔ ادارہ الرسالہ کی دوسری تمام کتابیں بھی ان کے یہاں ہر وقت ملتی ہیں۔

انجمن اہل حدیث کا قیام سری نگر میں ۱۹۲۴ میں عمل میں آیا۔ اسی تنظیم نے ۱۹۴۲ میں جمعیۃ اہل حدیث جموں وکشمیر کی صورت اختیار کی۔ دستور کے مطابق اس کا مقصد توحید وسنت کی اشاعت ہے۔ مساجد کو مرکز بنا کر لوگوں کو فرائض وسنن سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ سال کے دوران مقامی اجتماعات کے علاوہ ہر سال ریاست کے کسی مقام پر سالانہ کانفرنس کی جاتی ہے۔ جمعیۃ کے اہتمام میں مختلف مقامات پر مدارس قائم ہیں۔ مرکزی درس گاہ کے طور پر الکلیۃ السلفیہ کا آغاز ۱۹۷۷ میں کیا گیا ہے۔ سری نگر میں ایک لائبریری بھی قائم ہے۔

جمعیۃ کا اخبار عرصہ سے نکل رہا ہے جس کا نام "مسلم" ہے۔ ۱۹۷۲ سے یہ ہفت روزہ کی صورت میں جاری ہے۔ جمعیۃ کا ۷۸ - ۱۹۷۷ کا بجٹ تین لاکھ روپے کا تھا۔

کانفرنس میں راقم الحروف نے ایک مقالہ ملخصاً پڑھا۔ یہ مقالہ اپنی پوری شکل میں زیر نظر اشاعت میں شامل ہے۔

سری نگر میں داخل ہونے والے کسی باہر کے آدمی کو جو چیز چونکاتی ہے اس میں سے ایک وہ لال بورڈ ہے جو جگہ جگہ سڑکوں پر لگا ہوا ہے۔ اس پر سفید حرفوں میں لکھا ہوا ہے:

ہمارا مسلک: خود اعتمادی اور خدا اعتمادی

یہ دونوں باتیں جس قوم میں پیدا ہو جائیں اس کو ترقی اور کامیابی سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اگرچہ یہ کہنا بڑی حد تک صحیح ہوگا کہ یہ الفاظ بھی کشمیری قوم کے لئے "مسلک" سے زیادہ "منصوبہ" کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سری نگر میں کلیم اللہ خاں صاحب ایم۔ ایس سی ایک سنجیدہ نوجوان ہیں۔ باقاعدہ سائنسی تعلیم کے علاوہ پرائیویٹ طور پر عربی زبان بھی سیکھی ہے۔ وہ شہر کے مختلف مقامات پر مطالعہ قرآن کے حلقے چلا رہے ہیں۔ اس میں شرکت کرنے والے زیادہ تر تعلیم یافتہ نوجوان ہیں، یہ لوگ روزانہ صبح یا شام کو جمع ہو کر قرآن کی تصحیح کرتے ہیں اور ترجمہ کے ذریعہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس قسم کے دو حلقوں کے اجتماع میں مجھے شرکت کا اتفاق ہوا۔ نوجوان لوگ جس دلچسپی اور سنجیدگی سے قرآن پر جھکے ہوئے تھے اس کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ امت کا سارا بگاڑ قرآن کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔ یہ امت اگر دوبارہ قرآن کی رسی کو پکڑ لے تو اچانک امت کے اندر ایک نیا انقلاب آجائے۔

مجھ سے پوچھا گیا کہ مطالعہ قرآن کے رہنما اصول کیا ہیں ۔ میں نے کہا یوں تو اس موضوع پر موٹی موٹی کتابیں لکھی گئی ہیں اور درجنوں علوم کی مہارت کو فہم قرآن کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے ۔ مگر قرآن کا اصل مقصد نصیحت ہے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کے لئے صرف ایک چیز کافی ہے ، اور وہ ہے دعا ۔ آپ قرآن کو اہتمام اور سنجیدگی کے ساتھ پڑھیں اور جہاں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے ، اللہ سے اس کے لئے دعا کریں۔ قرآن کا مصنف خود اللہ تعالیٰ ہے اور قرآن بتاتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں سے قریب ہے اور ہر وقت ان کی پکار کو سنتا ہے ۔ پھر اس سے بڑی چیز اور کیا ہے جس پر قرآن فہمی کے سلسلے میں بھروسہ کیا جائے ۔ قرآن کو سمجھنے کے لئے اللہ سے مدد طلب کرنا گویا خود کتاب کے مصنف سے کتاب کی تشریح پوچھنا ہے ۔ اس سے بڑا خوش قسمت اور کون ہے جو کسی کتاب کا مطالعہ اس حال میں کر رہا ہو کہ کتاب کا مصنف ہر وقت اس کے پاس مراجعت کے لئے موجود ہو۔

یکم اگست کو چند گھنٹے اسلامک اسٹڈی سرکل کے مرکزی دفتر میں گزرے ، نوجوان اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی بڑی تعداد جمع تھی ۔ گفتگو زیادہ تر سوال و جواب کے انداز میں ہوئی ۔ سوالات اگرچہ زیادہ تر تنقیدی نوعیت کے تھے تاہم ساری گفتگو اتنے خوش گوار ماحول میں ہوئی گویا ہم لوگ "کشمیری شہد" کے موضوع پر تبادلۂ خیال کر رہے ہیں ۔ آخر میں میں نے کہا کہ قرآن و حدیث کے مطالعہ کے بعد ایمان و اسلام کی جو مختصر ترین تعریف میری سمجھ میں آئی ہے ، وہ یہ کہ ابو جہل اور ابو لہب کو جس خدا کے سامنے مرنے کے بعد کھڑا ہونا ہے ، بندۂ مومن مرنے سے پہلے اپنے آپ کو اس خدا کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے ۔ جنت انھیں لوگوں کے لئے ہے جو اپنے آپ کو اسی دنیا میں رب العالمین کے سامنے کھڑا کر دیں ۔ جس کو آخرت میں عدالت الٰہی میں کھڑا کیا گیا ، اس کے لئے ناکامی اور بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ۔

۲ اگست کا دن پہل گام میں گزرا ۔ آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر یہ خوبصورت پہاڑی مقام اپنے حیرت انگیز مناظر کے ساتھ جنت کی یاد دلاتا ہے ۔ درختوں کی لامتناہی قطاروں کے درمیان جگہ جگہ خوبصورت مکانات ، ان کے نیچے شفاف پانی کا بہتا ہوا دریا ۔ گویا جنات تجری من تحتها الانهار اور مساکن طيبة فی جنات عدن کی تصویر ہے ۔ خالص ہوا ، سنہری دھوپ ، نیلے آسمان کے اوپر مخمور بادلوں کے قافلے ، اس قسم کے ناقابل بیان آفاقی مناظر کے درمیان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جنت کی فضاؤں میں پہنچ گیا ہے ، سارا وقت بے حد خوش گوار گزرا ۔ مگر آخر میں کسی وجہ سے میرے سر میں درد شروع ہو گیا جو رفتہ رفتہ شدید ہو گیا ۔ سری نگر واپس آکر رات کو میں اپنی قیام گاہ پر لیٹا تو میری زبان پر یہ فقرہ تھا —— "جنتی فضا اور ہر قسم کا سامان عیش کسی کو مل جائے جب بھی انسان اپنی کمیوں اور محدودیتوں کی وجہ سے ایک پورا دن بھی لطف و لذت کے ساتھ نہیں گزار سکتا ۔ جنتی زندگی آخرت کی ابدی زندگی ہی میں ممکن ہے جہاں اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے "حزن اور خوف" کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گا ۔

میں سری نگر میں ایک مقام پر تھا ۔ ایک بوڑھے میاں آئے اور میرے ایک ساتھی کے قریب جاکر اس کے کان میں پوچھنے لگے : "یہ کوئی درویش ہیں ؟" ۔

درویش کا لفظ مسلمانوں میں اور خاص طور پر کشمیریوں میں خدا کے لفظ سے بھی زیادہ پرکشش ہے۔ کیسی عجیب بات ہے۔ لوگ درویشوں کی تلاش میں مصروف ہیں۔ مگر اس خدا سے ملنے کی کوشش نہیں کرتے جو عین ان کے قریب موجود ہے اور جس کو ہر وقت پایا جا سکتا ہے۔

سری نگر میں ایک صاحب میری قیام گاہ پر آئے۔ میں ان کو پہچانتا نہ تھا۔ انھوں نے اصرار کیا کہ میں ان کے مکان پر چلوں۔ میں نے کہا کہ میری زندگی بے حد سادہ ہے۔ کھانے پینے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔ پھر آپ مجھ کو مکان پر لے جا کر کیا کریں گے۔ تاہم ان کے شدید اصرار پر ان کے گھر گیا۔ پہلے میں سمجھا کہ شاید وہ مجھ کو "درویش" سمجھ کر اپنے گھر لے جا رہے ہیں۔ لیکن گھر پہنچ کر انھوں نے بتایا کہ آپ کی کتاب "الاسلام" میں نے تقریباً پندرہ بار پڑھی ہے اور اس وقت بھی وہ میرے زیر مطالعہ ہے۔ میں نے اسلام کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے مگر اس کتاب نے پہلی بار مجھ کو اسلام سے متعارف کیا۔" دوسری طرف اسی سری نگر میں بعض ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جنھوں نے الاسلام کے مضامین پر اس قسم کی بحثیں کیں گویا اس کتاب میں ان کے لئے صرف بحث و مباحثہ کا مواد تھا نہ کہ کوئی دینی غذا —— ذہنیت کا فرق کس طرح ایک ہی چیز کو دو مختلف چیز بنا دیتا ہے۔

یہاں کے مختلف دینی حلقوں میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ عجیب بات ہے کہ خواہ کشمیر ہو یا غیر کشمیر، ہر جگہ ایک ہی منظر دکھائی دیتا ہے۔ کسی دینی حلقہ کو سادات دین سے دل چسپی نہیں۔ ہر ایک کی سب سے زیادہ دلچسپی متفرقات دین سے ہے۔ حالاں کہ یہ قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

کسی دینی حلقہ کا یہ حال ہے کہ اس کو انھیں موضوعات سے دل چسپی ہے جن میں سیاسی چاشنی ہو۔ کوئی اولیاء اور بزرگوں کی کراماتی داستانوں میں مشغول ہے۔ کوئی فقہی جزئیات سے متعلق اختلافی بحثوں میں اس طرح پڑا ہوا ہے گویا سارا دین اس کے نزدیک یہی اختلافی مباحث ہیں۔ ہر ایک نے دین کا کوئی جزئی یا اختلافی حصہ کاٹ لیا ہے اور رات دن اسی پر طبع آزمائی کر رہا ہے۔ حالاں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ کے چند بندے جہاں جمع ہوں وہ خدا کی خدائی کا چرچا کریں۔ وہ آخرت کے دن کو یاد کریں، وہ اسلام کے فرائض و واجبات پر گفتگو کریں۔ وہ متفق علیہ دین کا چرچا کریں نہ کہ مختلف فیہ دین کا۔

ایک مجلس میں دعوتی کام کی اہمیت پر گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا کہ ضرورت ہے کہ ایک ادارہ قائم کیا جائے جس کا کام صرف یہ ہو کہ وہ دعوتی مقاصد کے تحت لٹریچر شائع کرے۔ اس سلسلے میں خاص طور پر مندرجہ ذیل چیزیں شائع کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ قرآن و حدیث کے ترجمے اور رسول اللہ اور صحابہ کے واقعات سادہ زبان میں۔

۲۔ غیر مسلموں کی لکھی ہوئی اسلامی کتابیں۔ مثلاً پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام، کونستان ورژیل جارج کی پرافٹ آف اسلام۔ اس طرح کی بہت سی نہایت عمدہ کتابیں ہیں۔ ان کو مختلف زبانوں میں شائع کیا جائے۔

۳۔ قبولِ اسلام کے بعد بہت سے لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں جن میں اپنے اسلام سے متاثر ہونے کی روداد درج کی ہیں۔ اس قسم کی کتابیں منتخب کر کے شائع کی

جائیں۔

یہ ایک وسیع میدان ہے۔ ہم نے مناظرانہ انداز میں بے شمار کتابیں چھاپ رکھی ہیں۔ مگر مثبت انداز کی کتابیں ابھی ہماری توجہ کا انتظار کر رہی ہیں۔

پہل گام کے پہاڑ پائنس (Pinus) کے درختوں سے بھرے ہوئے ہیں، یہ درخت سیدھے لمبے ہوتے ہیں، اور ان کی ایک سو سے زیادہ قسمیں دنیا کے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی شاخیں چھوٹی اور بہت کم پھیلی ہوتی ہیں۔ تاکہ تھوڑی جگہ میں زیادہ درخت اُگ سکیں۔ چوں کہ یہ درخت ڈھلوانوں پر ہوتے ہیں جہاں بارش کا پانی ٹھہرتا نہیں۔ اس لئے ان کی جڑیں زمین میں گہری نہیں جاتیں بلکہ اوپر اوپر دور تک پھیلتی ہیں تاکہ زیادہ بڑے رقبہ سے پانی کھینچ سکیں۔ ان کی پتیاں عام درختوں کی طرح چوڑی نہیں ہوتیں۔ اگر چوڑی ہوں تو زیادہ مقدار میں پانی خارج کر کے درخت کے لئے پانی کی قلت کا مسئلہ پیدا کر دیں۔ اس اس لئے ان کی پتیاں سوئی کی طرح پتلی ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر ان کو اصطلاح میں پتی کے بجائے سوئی (Needle) کہا جاتا ہے۔

پائنس کی پتیاں سرو کی طرح گچھے دار ہوتی ہیں۔ حیرت انگیز بات ہے کہ ان میں کامل حسابی تناسب پایا جاتا ہے۔ بعض نسل کے گچھوں میں ایک ڈنٹھل میں صرف ایک "سوئی" ہوتی ہے۔ کسی میں دو، کسی میں تین، کسی میں چار، کسی میں پانچ۔ پہل گام میں جو پائنس پایا جاتا ہے وہ پانچ سوئیوں والا (Pinus Wallichiana) ہے۔ میں نے بہت سی پتیاں لے کر ان کی سوئیاں گنیں۔ ہر ڈنٹھل میں پانچ ہی سوئیاں ملیں۔ نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔ کھرب ہا کھرب پتیوں میں یہ مکمل حسابی تناسب کیا اتفاقاً ہو گیا ہے۔ کیا اس کے پیچھے کسی منصوبہ ساز کی طاقت کام نہیں کر رہی ہے۔

سری نگر سے پہل گام جاتے ہوئے ایک مقام پر میرے ساتھی نے بتایا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں کشمیر کا زعفران پیدا ہوتا ہے۔ سڑک کے کنارے زمین جوت کر تیار کی جا رہی تھی۔ ابھی اس پر فصل نہیں بوئی گئی تھی۔ بظاہر دیکھنے میں اس کی مٹی ویسی ہی تھی جیسی دوسری مٹی۔ مگر چند کیلومیٹر کا یہ قطعہ نہ صرف کشمیر بلکہ ساری دنیا میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے نرالا تھا۔ یہاں وہ قیمتی زعفران پیدا ہوتا ہے جو دنیا بھر میں کہیں اور پیدا نہیں ہوتا۔ دو کھیت بظاہر ایک ہی جیسے ہیں، مگر ایک میں جھاڑ جھنکاڑ اگتا ہے اور دوسرے میں زعفران ــــ یہی حال انسانوں کا ہے۔ دو انسان بظاہر دیکھنے میں ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ایک کے سامنے حق کے دلائل آتے ہیں تو وہ اس کے قلب کو روشن کر دیتے ہیں۔ دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو وہ صرف اس کے اندھیروں میں اضافہ کرتے ہیں۔ ایک کے یہاں اس سے حق کا چمنستان اگ آتا ہے اور دوسرے کے یہاں صرف جھاڑ جھنکاڑ۔

xxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxxx

از

مولانا وحید الدین خاں

قیمت بارہ روپے

"کتاب ظہور اسلام پڑھی گئی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا
کہ میں قرآن اور تاریخ اسلام پڑھ رہا ہوں۔ برسوں سے
اسلام سے متعلق کتابیں بازار میں آرہی ہیں مگر اس کے
مقابلہ میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کا تقابل کیا جاسکے۔
آپ کی فکر و نظر۔ قوت استدلال۔ تقابلی تعارف
اور سائنٹفک معیار اس نوعیت کا ہے کہ جو کتابیں
پڑھی گئیں وہ بالکل اکارت ہوگئیں۔
کسی کتاب یا لٹریچر کو پڑھنے کے لئے ایک خاص فہم کی
ضرورت ہوتی ہے ورنہ تعصب آگے آگے آکر کتاب کو
بے معنی کردیتا ہے۔ مگر یہ کتاب پڑھنے کے بعد کوئی طرز فکر
کا آدمی کیوں نہ ہو بغیر داد دیئے نہیں رہ سکتا، اس لئے
کہ اس کتاب میں تمام مذاق کا ذخیرہ موجود ہے۔ کتاب
پڑھنے کے بعد آدمی پر سکوت و محویت غالب ہوجاتی ہے
اور آئندہ کے تعلق سے سوچ میں پڑ جاتا ہے۔

کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن کے
تاریخی واقعات۔ غزوات۔ سیرت، صحابہ کا عمل
قیاس۔ اجتہاد وغیرہ کے مسائل جمع ہو گئے ہیں۔ یہ کتاب
بلا مبالغہ اچھی نہیں بلکہ ایک نعمت ہے اور ایک بصیرت
کا کام دے سکتی ہے۔ اس کی افادیت کے لحاظ سے
تمام زبانوں میں ترجمہ کیا جانا چاہیے اور ترجمہ اس
انداز سے کیا جائے کہ اس کی معنویت برقرار رہے۔"

(مولانا) محمد فخر الدین خطیب، میدک ۹ جولائی ۱۹۷۸

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

تعارف و تبصرہ

اسلامی سیاست یا سیاسی اسلام

از مولانا حکیم ابوالحسن عبیداللہ خاں

صفحات ۳۰۴ قیمت چھ روپے

پتہ : محمد رمضان نیوز پیپر ایجنسی
نزد روزنامہ آفتاب۔ سری نگر۔ کشمیر
۲۔ مکتبہ مسلم۔ بربرشاہ۔ سری نگر
۳۔ غلام نبی ڈگہ۔ نئی سڑک۔ گڈاہل میر۔ سری نگر

زیر نظر کتاب کا موضوع موجودہ زمانہ کی وہ تحریکیں ہیں جنھوں نے اسلام کی سیاسی تعبیر کی اور انتخابی سیاست کے ذریعہ اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش کی۔

مذکورہ تحریکوں کا کہنا ہے کہ اسلام ایک ہمہ گیر نظام ہے۔ انفرادی، معاشرتی اور سیاسی تمام معاملات زندگی سے اس کا تعلق ہے۔ اور ضروری ہے کہ تمام شعبوں کے ساتھ اس کو قائم کیا جائے۔ مصنف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ بات بجائے خود صحیح ہے کہ زندگی کا ہر شعبہ شریعت اسلامیہ کے اوامر و نواہی کی گرفت میں ہے۔ مگر اللہ نے کسی ایک فرد امت کو اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں قدم رکھے۔" کیا حضورؐ نے اپنی پوری زندگی میں وآتوالزکوٰۃ یا وآتو حقہ یوم حصادہ پر عمل کیا۔ کتنے قرآنی احکام ہیں جن سے آپ کو زندگی بھر واسطہ نہیں پڑا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے شادی نہیں کی۔ وغیرہ۔ بات یہ ہے کہ فرد واحد شریعت کے جملہ احکام کا مخاطب نہیں ہوتا۔ کل دین کی پیروی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا تعلق جس خاص شعبہ زندگی سے ہے اس میں کتاب شریعت کے جملہ اوامر و نواہی کی پابندی کرے اپنے شعبۂ معیشت سے باہر قدم رکھنے کا شرعاً کوئی بھی مکلف نہیں (۱۷)

کتاب میں مفید علمی نکتے بھی آگئے ہیں، مثلاً غزوۂ بدر کے ستر قیدیوں کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے مشورہ فرمایا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے ہوئی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب کو قتل کر دیا جائے۔ پہلی رائے کی مصلحت یہ تھی کہ مسلمانوں کے پاس مال نہ ہونے کی وجہ سے سامان جنگ کی کمی تھی۔ فدیہ کی رقم سے سامان جنگ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ دوسری رائے کی مصلحت یہ تھی کہ سرداروں کی گرفتاری کی وجہ سے گویا کفر کی پوری طاقت مسلمانوں کی مٹھی میں آگئی تھی۔ ان کا خاتمہ کر کے اسلام کے خلاف مزاحمت کا مکمل خاتمہ کیا جا سکتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اسیروں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد قرآن میں آیت اتری جس میں کہا گیا لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم (انفال ۶۸) اس آیت کی تفسیر میں بڑی لمبی بحثیں کی گئی ہیں۔ مصنف نے نہایت عمدہ اور فطری تشریح حسب ذیل الفاظ میں کی ہے: (صفحہ ۹۳)

"اگر اللہ کی کتاب تقدیر تمھاری سرفرازی و ظفرمندی کا فیصلہ پہلے ہی سے نہ کر چکی ہوتی تو تمھیں اس غلط سیاسی فیصلے (فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے) کے باعث (دنیا میں) سخت مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا۔"

XXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXX

سورج ایک بے حد روشن حقیقت ہے۔ مگر جو شخص اپنی آنکھیں بند کر لے، اس کے لئے سورج کا کوئی وجود نہیں۔

زندہ انسان کے مقابلہ میں لاش زیادہ پسندیدہ

"ایک زمانہ آئے گا کہ مومن کی نسبت لوگ مردار لاش کو زیادہ پسند کریں گے۔ اس لئے کہ مومن ان کو اچھے کام کی تلقین کرے گا اور برے کام سے روکے گا (حدیث)

"مردار لاش" سے مراد خوشامدی آدمی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تنقید کرنے والا لوگوں کی نظر میں مبغوض ہو جائے گا۔ ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ شخص وہ ہوگا جو ان کے سامنے خوشامدی باتیں کرے اور ان کے خود ساختہ معبودوں کی شان میں تعریفی قصائد تیار کرکے سناتا رہے۔

تاثر جتنا زیادہ شدید ہو الفاظ اتنے ہی کم ہو جاتے ہیں

مسٹر لزلی براؤن شمالی انگلستان کے ایک ٹرک ڈرائیور ہیں۔ وہ اولاد سے محروم تھے۔ ان کی بیوی کے جسمانی نظام میں بعض حیاتیاتی فرق کی وجہ سے دونوں کا مادۂ حیات رحم مادر میں یک جا نہیں ہوتا تھا وہ اولاد کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے کہ عین وقت پر سائنس نے ان کی مدد کی۔ لندن کے ڈاکٹر پیٹرک اسٹپٹو جو برسہا برس سے اس میدان میں تجربہ کر رہے تھے انھوں نے اپنی لیبورٹری میں لزلی براؤن کا مادۂ تولید (اسپرم) نکالا اور مسز براؤن کے جسم سے ایک بیضہ لیا۔ دونوں کو انھوں نے ایک خصوصی قسم کے ٹسٹ ٹیوب میں رکھا۔ قدرتی قانون کے تحت وہ دونوں مل کر زرخیز ہو گئے۔ چار روز کے بعد ڈاکٹر نے اس کو مصنوعی طور پر رحم مادر میں پہنچا دیا۔ اب رحم مادر میں اس "بچہ" کی پرورش ہونے لگی۔ تجربہ کامیاب رہا۔ اگست ۱۹۷۸ میں تاریخ کا پہلا "ٹسٹ ٹیوب بے بی" وجود میں آگیا۔ اس پورے عمل کی تصویر لی جاتی رہی، اور پیدائش کے بعد اس کو مکمل طور پر ٹیلی وژن پر دکھایا گیا۔

ٹیوب بے بی (لوئی براؤن) کے باپ سے اس پورے واقعہ پر تبصرہ کرنے کے لئے کہا گیا تو اس نے کہا: "بیوٹی فل"، یعنی بے حد حسین۔ اس ایک لفظ کے سوا وہ کچھ اور نہ کہہ سکا۔

غم کی گھٹنا خوشی سے زیادہ بڑی گھٹنا ہوتی ہے۔ انڈین نیوی کے ایک افسر کی اہلیہ مسز ادما چوپڑہ کو ۲۶ اگست ۱۹۷۸ کو جب معلوم ہوا کہ ان کے دونوں بچے گیتا (۱۷) اور سنجے (۱۵) کو نئی دہلی میں وحشیانہ طور پر کسی نے قتل کر دیا ہے تو اس کے بعد ان کا یہ حال ہوا کہ سات گھنٹے تک وہ ایک لفظ نہ بول سکیں۔

اسلام کے خلاف جدید شبہات کو ڈھا دینے والی کتاب

مذہب اور جدید چیلنج

"علم جدید کا چیلنج" مولانا وحید الدین خاں کی مشہور کتاب ہے۔ "مذہب اور جدید چیلنج" اسی کا نظرثانی کیا ہوا ایڈیشن ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۶۷ میں اردو میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد عربی اور ترکی زبانوں میں اس کے درجن سے اوپر ایڈیشن شائع ہوئے۔ تمام عالم اسلام میں اس کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ۱۷ فروری ۱۹۷۶ کو مولانا وحید الدین خاں طرابلس میں صدر قذافی سے ملے تو لیبی لیڈر نے فوراً کہا: لقد قرأت کتابك الاسلام یتحدی (میں نے آپ کی کتاب الاسلام یتحدی پڑھ لی ہے)۔

الامام الاکبر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود (جامعہ ازہر قاہرہ) نومبر ۱۹۷۵ میں ہندستان آئے۔ انھوں نے جامعہ ڈابھیل سورت میں تقریر کرتے ہوئے علمار سے کہا کہ آپ لوگ الاسلام یتحدی کا مطالعہ کیجئے۔ جس میں اسلام کے خلاف جدید شبہات کا کافی وشافی رد موجود ہے۔

قاہرہ کے روزنامہ الاہرام نے اس کتاب کے عربی ایڈیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"مصنف کتاب نے اسلام کے مطالعہ کا ایک ایسا علمی انداز اختیار کیا ہے جو بالکل نیا اور انوکھا ہے۔ جدید مادی فکر کے مقابلہ میں دین کو وہ اسی طرز استدلال سے ثابت کرتے ہیں جس سے منکرین مذہب اپنے نظریات کو ثابت کرتے ہیں۔ ۔ ۔ اسلام کے ظہور سے لے کر اب تک چودہ سو سالوں میں اسلام پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اگر تاریخ کو چھانا جائے اور اللہ کی طرف بلانے والی عمدہ کتابوں کو چھلنی سے چھان کر نکالا جائے تو کتاب الاسلام یتحدی بلاشک وشبہ ان میں سے ایک ہوگی۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مصنف کتاب کے عمل کو قبول فرمائے۔ ان کے دل کو نور سے، ان کی عقل کو معرفت سے اور ان کی روح کو رضا سے بھر دے اور ان کے قلم کو ایسی روشنائی عطا کرے جو لکھنے سے کبھی ختم نہ ہو۔"

قیمت : تیرہ روپے پچاس پیسے

"مذہب اور جدید چیلنج" پر
ایک یادگار تبصرہ

"مذہب اور جدید چیلنج"، کا پہلا ایڈیشن جو علم جدید کا چیلنج کے نام سے ۱۹۶۶ء میں چھپا تھا، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد عامر عثمانی مرحوم نے اپنے رسالہ تجلی کے "آغاز سخن"، میں مفصل نوٹ شائع کیا تھا۔ اس کا ایک جزء یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"اس کتاب کا تذکرہ کرنا آج ہمیں ہر دوسرے موضوع سے زیادہ محبوب نظر آرہا ہے۔ خدا مصنف کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ ہمارے علم کی حد تک یہ کتاب اپنے موضوع پر دنیا کی واحد کتاب ہے۔ اس کا موضوع فقط یہ نہیں کہ سائنس کے مقابلہ پر مذہب کا اثبات کیا جائے۔ بلکہ اس کے موضوع کا تشخص تقریباً ان الفاظ میں ہوسکتا ہے کہ ـــــ ملحد سائنس دانوں اور فلسفیوں کا رد ٹھیک اسی علم کلام کے ذریعہ جسے یہ لوگ مذہب کی تردید میں استعمال کرتے ہیں۔

اس کتاب کی تعریف کا حق محض یہ کہہ کر ادا نہیں ہوسکتا کہ یہ ٹھوس ہے، مفید ہے، قیمتی ہے۔ اس طرح کی باتیں تو اس سے کمتر کتابوں کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہیں۔ ہمیں کہنا چاہئے، اور یہ ہمارے دل کی آواز ہے کہ یہ کتاب وہ فرض کفایہ ہے جسے مصنف کی سعادت مندی اور توفیق اور خدا داد صلاحیت نے پوری امت کی طرف سے ادا کیا ہے۔

نہیں۔ یہ بھی ہم نے غلط کہا۔ فرض کفایہ فرائض کی بہت ہلکی قسم ہے۔ فکر نو کے مذہب دشمن اور خدا بیزار طوفان کے آگے فولادی دلائل کا بند باندھنا، ملحد مفکرین کے تباہ کن علم کلام کا توڑ مہیا کرنا اور مذہبی عقائد اقدار کو خیرہ کن سفسطوں کی یلغار سے بچانا آج اتنا بڑا فریضہ ہے جسے افرض الفرائض بھی کہہ دیں تو مبالغہ نہیں۔

مصنف نے اگر ڈیوٹی انجام دی ہے تو ملت کے دیگر اہل افراد کے ذمے سے یہ ڈیوٹی ساقط نہیں ہوجاتی۔ اگر ہمیں حقیقت اور واقعات کا احساس وادراک ہوتا تو جس طرح ہم مدرسے اور مکتب چلانے کے لئے قوم سے چندہ لیتے اور بڑے بڑے خرچ پورے کرتے ہیں، اسی طرح اس کتاب کو اردو، ہندی، انگریزی اور دنیا کی تمام قابل ذکر زبانوں میں بھاری تعداد میں چھاپتے، پھیلاتے، مفت پہنچاتے۔

مصنف نے اپنی کتاب میں جوابی بحث کے ذیل میں جو سائنسی معلومات جمع کی ہیں وہ بجائے خود اس کتاب کو بہت قیمتی بنا دیتی ہیں۔ اللہ اکبر، کیا کیا ایمان تازہ ہوتا ہے ان جدید تر سائنسی اکتشافات کو دیکھ کر جن سے یہ کتاب روشناس کراتی ہے۔ کتنی قطعیت کے ساتھ ہر تازہ سے تازہ تر انکشاف گواہی دے رہا ہے کہ مذہب اٹل ہے، مذہب برحق ہے، مذہب سے بے تعلق ہوکر انسانی معاشرہ نہ پہلے کبھی فلاح کو پہنچا نہ آج پہنچ سکتا ہے۔

مصنف کی کتاب پڑھ کر ہم ایسی کیفیت محسوس کر رہے ہیں کہ اگر وہ ہمارے سامنے ہوں تو ہم والہانہ انداز میں ان انگلیوں کو چوم لیں جن کی جنبش اس کتاب کو ظہور دینے کا ذریعہ بنی ہے۔"

(ماہنامہ تجلی دیوبند۔ جولائی۔ اگست ۱۹۶۶)

Regd No. D (D) 532
Regd R.N. No. 28822/76

October 1978

Al-Risala Monthly

Jamiat Building, Qasimjan Street, DELHI-110006 (INDIA)

اسلام کو عصری اسلوب میں سمجھنے کے لئے

الاسلام	از مولانا وحیدالدین خاں	12.00
ظہور اسلام	"	12.00
تجدید دین	"	2.00
مذہب اور جدید چیلنج	"	13.50
زلزلۂ قیامت	"	3.00
عقلیات اسلام	"	2.00
قرآن کا مطلوب انسان	"	......
راہیں بند نہیں	"	......
تاریخ کا سبق	"	......
اسلامیات	"	......
سائنس کی زبان سے	"	......
سوشلزم	"	2.00
ہم کہاں ہیں	"	......
نظریۂ ارتقاء	"	......
تعبیری غلطیاں	"	......
ماہنامہ الرسالہ	زر تعاون سالانہ	24.00

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی سے شائع کیا